مذہبی اتحاد و رواداری کے بہترین اصول!

دنیا کے اکثر ممالک اور علاقوں بالخصوص ہندوستان (متحدہ) میں مذہب لوگوں کے افکار اور اعمال پر ایک نمایاں اثر رکھتا ہے۔ اور یہ صورت نہ صرف موجودہ زمانہ میں پائی جاتی ہے بلکہ قدیم الایام سے چلی آرہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ دارانہ کشیدگی اور ملکی اور قومی جھگڑوں کے پیچھے بسا اوقات مذہبی اختلافات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اور ہمارے ملک (متحدہ ہندوستان) میں تو عدم رواداری اور فتنہ و فساد کی بڑی وجہ مذہبی اختلافات ہی ہیں موجودہ زمانہ کے مصلح اعظم اور ریفارمر حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے خدا تعالیٰ سے روشنی اور ہدایت پاکر جہاں اور بہت سے امور کی اصلاح فرمائی۔ وہاں مذہبی جھگڑوں اور کشیدگیوں کو دور کرنے کے لئے بہت سی تجاویز اہلِ ملک کے سامنے رکھیں افسوس ہے کہ لوگوں نے اس آسمانی آواز کی بروقت قدر نہ کی۔ اور ان بیش قیمت اصولوں کو نہ اپنایا جو سراسر ان کی اپنی بہتری اور فلاح کے لئے تھے۔

آج ملک و قوم کا ہر بہی خواہ یہ دلی تمنا رکھتا ہے کہ ملک میں امن و امان اور اس میں بسنے والی مختلف اقوام میں باہمی اتحاد و محبت پیدا ہو تاکہ ہماری حکومت اور عوام بجائے روز روز کے اندرونی جھگڑوں کو مٹانے اور اختلافات کو دور کرنے کی جدوجہد کرنے کے اپنی توجہ ملک کی ترقی اور تعمیری کاموں کی طرف منعطف کرسکیں لیکن افسوس ہے کہ سوائے "امن" "امن" اور "اتحاد" "اتحاد" کے نعرے لگانے اور پرجوش تقاریر کرنے اور بیانات دینے کے اور کچھ نہیں کیا جاتا۔ نہ فتنہ و فساد کی بیماری کی صحیح تشخیص کی جاتی ہے اور نہ اس کا مؤثر علاج کیا جاتا ہے۔ کاش ہمارے محبانِ وطن اب بھی غفلت سے بیدار ہوں۔ اور اتحاد و امن کی ان تجاویز پر عمل کریں۔ جو موجودہ زمانہ کے اوتار اور مصلح نے خدائی ہدایت کی روشنی میں اپنے ملک کے لئے پیش کی ہیں۔ اور جن کو ٹھکرا کر اب تک ہمارا ملک ترقی کے اعلیٰ زینوں کو طے کرنے اور آزاد ملکوں کی صف میں باعزت کھڑا ہونے سے محروم ہے۔

مذہبی منافشات کو دور کرنے اور باہمی محبت و رواداری کو پیدا کرنے کے لئے جو تجاویز حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے پیش فرمائیں ان کا مختصر خلاصہ ذیل میں تحریر ہے۔

(۱) مذہبی مباحثات و مناظرات میں اس بات کی پابندی کی جائے کہ کوئی شخص کسی دوسرے مذہب پر اعتراض یا نکتہ چینی نہ کرے بلکہ بحث کو اپنے مذہب کی خوبیوں اور عمدہ تعلیم کے بیان تک محدود رکھے اس طریق کے اختیار کرنے سے مذہبی فوقیت بھی ثابت ہوجائے گی اور کسی قسم کا جھگڑا اور فساد بھی پیدا نہ ہوگا۔

(۲) اگر اس پابندی اور عمدہ طریق کا پورے طور پر [illegible] تو کم از کم دوسرے مذہب پر ایسا اعتراض [illegible] جائے جو خود اعتراض کرنے والے کے اپنے مذہب پر پڑتا ہو۔ اگر اس پابندی کو بھی مباحثات و مناظرات میں اختیار کرلیا جائے تو نکتہ چینی اور اعتراضات کا میدان بہت حد تک محدود ہوسکتا ہے اور فتنہ و فساد کے مواقع کم سے کم ہوسکتے ہیں۔

(۳) اس ضمن میں تیسری تجویز حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے یہ فرمائی ہے کہ اگر مذکورہ بالا ہر دو تجاویز پر عمل نہ کیا جائے تو کم از کم یہ طریق اختیار کیا جائے کہ ہر مذہب کی طرف سے مستند و مسلمہ کتب کی فہرست شائع کردی جائے اور اعلان کردیا جائے کہ ان کتب کے علاوہ کوئی اور کتاب یا تحریر ان کے مسلمات میں سے نہیں ہے۔ ایسے اعلان کے بعد اگر کسی شخص نے اس مذہب کے خلاف کوئی اعتراض پیش کرنا ہو تو وہ ان مسلمہ کتب کے حوالے سے پیش کرے اور ان سے باہر نہ جائے ورنہ بلاوجہ ایسی باتوں کے متعلق اعتراض اٹھانے سے جو اس مذہب کے ماننے والوں کے مسلمات میں سے نہیں سوائے اختلاف اور فساد کے بڑھانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۴) چوتھی اہم تجویز آپ نے یہ پیش فرمائی کہ ہر اہلِ مذہب کو یہ چاہیئے کہ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی عزت و تکریم کرے اور ان کے خلاف کوئی نازیبا کلمہ اپنی زبان یا قلم پر نہ لائے۔ آپ نے یہ اصول بیان فرمایا کہ وہ بانیانِ مذاہب جن کے مذہب دنیا میں ایک لمبا عرصہ تک قائم ہوگئے اور ان کے پیروؤں نے ان کی اتباع و پیروی سے برکت و معرفتِ الٰہی [illegible] حاصل کی۔ وہ کسی صورت میں جھوٹے نہیں ہوسکتے۔ بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اور صادق و راستباز تھے۔ اور ان کی عزت و احترام کرنا ہر شخص کا فرض ہے۔

اسی اصل کے ماتحت احمدیہ جماعت تمام پیشوایانِ مذاہب پر ایمان رکھتی ہے اور ان کی عزت و تکریم کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اس غرض کے لئے دنیا کے تمام علاقوں میں سیرت پیشوایانِ مذاہب کے جلسے بھی احمدیہ جماعت کے زیر انتظام منعقد کئے جاتے ہیں۔ اور مختلف اخبارات و رسائل کے پیشوایانِ مذاہب نمبر بھی نکالے جاتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ پرچہ احباب کی خدمت میں پیش ہے۔ اگرچہ دوسری مصروفیات اور بعض دقتوں کے پیشِ نظر مضامین حاصل کرنے اور ان کو ترتیب دینے کی طرف پوری توجہ نہیں دی جاسکی تاہم بہت سے ضروری حالات مقدس پیشوایان کے اس پرچہ میں دیئے گئے ہیں۔ جو امید ہے کہ قارئین کرام کے دلوں میں ان پاکیزہ ہستیوں کے متعلق احترام کے جذبات پیدا کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔

اس پرچہ میں معزز غیر مسلم حضرات کے وہ پیغامات بھی درج کردیئے گئے ہیں جو انہوں نے قادیان کے سیرت پیشوایانِ مذاہب کے گذشتہ جلسہ منعقدہ ۳۰/مارچ ۱۹۵۲ء کے موقعہ پر جناب ناظر صاحب دعوت و تبلیغ کو بھجوائے تھے۔ ان پیغامات میں بھی صلح و اتحاد کے بہت سے قیمتی جواہر پارے شامل ہیں۔

خدا تعالیٰ ہم سب کو ان مضامین اور پیغامات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے اور ملک میں صلح و امن اور اتحاد و اتفاق کی رو چلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

بھائی عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے رفاہ عام پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر دار المسیح قادیان سے شائع کیا۔

جناب سردار اودھم سنگھ صاحب ایم-ایل-اے کا

پیغام جلسہ پیشوایان مذاہب کے موقعہ پر!

میرے محترم بھائیو اور دوستو! پنجاب اسمبلی کے کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے آپ کے جلسہ میں شمولیت اختیار کرنے سے قاصر ہوں۔ میری یہ زبردست دلی خواہش تھی کہ آپ کے اس نیک کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور پوری تن دہی سے آپ کا ہاتھ بٹاتا۔ مگر اسمبلی کے ضروری کام راستے میں آ حائل ہوتے ہیں جن کی طرف دھیان دینا بھی نہایت ہی لازمی امر ہے۔ امید ہے کہ آپ صاحبان میری اس وقتی مجبوریوں کا خیال فرماتے ہوئے مجھے میری غیر حاضری سے معاف فرمائیں گے۔

ایک سکھ اقلیت کی حیثیت سے صرف قادیان میں ہی بود و باش رکھنے کے باوجود آپ لوگوں نے ہر بنی نوع تک پیغام اتحاد پہنچانے کے لئے جو یہ شاندار قدم اٹھایا ہے میں اس نیک کام کیلئے آپ صاحبان کو دلی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں آپ کی طرف سے قائم کردہ اس اتحادی مناظر کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا متمنی تھا۔ مگر کانگرس اسمبلی پارٹی کی دفعتہً میٹنگ کے اعلان اور اس میں میری شمولیت نے میرے ان دلی ارمانوں کا خاکہ ہی تبدیل کر دیا ہے جسکی وجہ سے میں آپ صاحبان سے معذرت خواہی پر مجبور ہوا ہوں۔

ہمارا سکھ دھرم ایک صلح کل دھرم ہے۔ ہمارے اس دھرم کے بانی گورو بابا نانک دیو جی تمام انسانوں کے مشترکہ رہبر تھے۔ ان کے نزدیک ذات پات کی تفریق ایک گناہ کبیرہ تھی۔ وہ ہر نیک انسان خواہ وہ غریب ہو یا امیر۔ ہندو ہو یا مسلمان کے ساتھ یکساں رواداری سے پیش آتے تھے۔ اگر انہوں نے کوئی نئی چیز پیدا کی تو وہ تھی جو انہوں نے شاہ شرف تھانیسری فقیر کے ساتھ ملاقی ہو کر بیان کر دی تھی "ابتدائے فقیری فنا است و انتہائے فقیری لقا است" یعنی ان کی امت موت سے شروع ہو کر زندگی میں جا کر ختم ہوتی ہے۔ ہمارا خدائی کلام بھی ایک سے شروع ہوتا ہے۔ جو کہ ہماری یکانگت اور یکتا کا اظہر ثبوت ہے۔ ہمارا فرقہ ہر اس ملت کا حامی ہے۔ جس کا مدعا بنی نوع انسان میں اتحاد اور محبت پیدا کرنا ہو۔ میرے خیال میں سکھ دھرم اور مسلمان مذہب اکثر لحاظ سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ جہاں تک خدا کو واحد اور لاشریک تسلیم کرنے کا سوال ہے ان دونوں فرقوں کا نقطہ نگاہ ایک ہی ہے نیکی کو قبول کرنا اور بدی سے کنارہ کرنا ہمارے دھرم کا پہلا رکن ہے۔ اگر کسی غیر قوم کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بشر میں بھی نیکی موجود ہو تو ہم اسکی حتی الوسع قدر کرتے ہیں اور اگر کسی اونچ جاتی کے کسی بڑے سے بڑے آدمی میں بھی کوئی بدی دکھائی دے تو ہم اسکی مخالفت کیواسطے ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں۔ ہم ظلم و جبر کے دشمن اور انسانیت کے پجاری ہیں۔ گورو نانک دیو جی مہاراج نے سب سے پہلے مردانہ جی جو ایک نیک سیرت مسلمان تھے کو بھائی کے مبارک لفظ سے ملقب کیا۔ آپ کا ایک نیک مسلمان حاکم رائے بلار سے پیار ان کی اتحادی سپرٹ اور نیکی کی قدردانی کا ایک مسلمہ اظہار تھا۔ سکھ ہسٹری میں پیر میاں میر جی۔ فقیر جانی خاں کشمیری۔ پیر بدھو شاہ جی۔ سید بدھو شاہ جی۔ پیر بھیکھن شاہ جی۔ سید عارف بیگ۔ صیاد بیگ اور عبید خاں وغیرہ وغیرہ پیروں فقیروں اور سیدوں کے نام کافی تعظیم سے مذکور ہیں۔ ان گوروؤں کی پوری تقلید کرتے ہوئے شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے عہد حکومت کے دور میں فقیر عزیز الدین اور نور الدین کو اپنے وزراء کی فہرست میں شامل کیا اور اسی مہاراجہ نے جہاں سکھ گوردواروں اور مندروں کے نام جاگیریں اور جائیدادیں لگوائیں وہاں کئی مسجدوں اور مزاروں کو بھی اس نوازش سے محروم نہ رکھا جن کے مستند ثبوت تا حال اپنی زبان سے مہاراجہ صاحب کی یگانگت اور اتحاد کے راگ الاپ رہے ہیں۔ سری گورو ارجن دیو جی کی موجودگی میں پیر میاں میر جی سے سری ہرمندر صاحب امرتسر کا سنگ بنیاد رکھوایا جانا کوئی معمولی سا واقعہ نہیں ہے۔ گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کو بھائی کلا ہی کے انکار کر دینے پر جبکہ لاکھوں کی تعداد میں اسلامی فوجیں ان کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ دو مسلمان بھائیوں کا آپ کو "اُچ دا پیر" بنا کر اور اپنی جان کی بازی لگا کر ان دا بینے بندھوں پر بھاگو خطرہ سے باہر کر دینا خالی از معجزہ نہیں ہے۔ سکھ اتہاس میں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ طوالت مضمون کے ڈر سے ان کو مکمل طور پر اکتفا کرتا ہوں۔ جیسی سختی سے ہدایت کی گئی ہے:-

(۱) سب کو میت ہم آپن کینا ہم سبھنا کے ساجن۔ دور پرائیو من کا برہا تو میل کیو میرے ماجن۔ (۲) ایکا پتا ایکس کے ہم بارک تو میرا گورہائی ۔۔۔۔ (۳) اول اللہ نور اپایا قدرت دے سب بندے۔ اک نور تے سب جگ اپجیا کون بھلے کون مندے۔ لوگا بھرم نہ بھولو بھائی۔ خالق خلق۔ خلق میں خالق پور رہیا سرب ٹھائی۔ (۴) کہو کبیر ہم رام کی آنس۔ جو سکھ ان مذکورہ بالا سطور کے مطابق عمل پیرا نہیں ہے وہ سکھ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ یہ چند سطور بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں ورنہ ہمارا سارا ہی مذہبی کلام اس امر کی مجسم تشریح کرتا ہے۔ ہم لوگوں کو آپ میں انسانیت اور یگانگت کی ایک کایاں جھلک اپنے پورے جوبن پر درخشاں نظر آ رہی ہے۔ آپکی نظر میں ہر ایک مذہب کا بانی اور تمام گورو اوتار وغیرہ قابل تعظیم ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ لوگ اپنے واسطے لوگوں کے دلوں میں اچھی جگہ پیدا کر لیتے ہیں۔ آپکی بلا تفریق مذہب و ملت فارواری ۔۔۔ کے چرچے زبان زد خلائق ہیں۔ دور حاضرہ کی عظیم ترین ہستی پنڈت جواہر لال نہرو جی کا اتحاد اور پریم کی ایک لاثانی مثال ہیں۔ کی آپکے دلوں میں کسی سے زیادہ قدر و منزلت ہے۔ بالآخر میں آپ صاحبان سے پھر معذرت خواہی کرتا ہوں اور یقین واثق رکھتا ہوں کہ آپ میری غیر حاضری کی مجبوری سے مجھے معاف فرما دینگے۔ خاکسار

اودھم سنگھ ایم-ایل-اے سری ہرگوبند پوری

جناب ڈاکٹر شنکر داس صاحب مہرہ ایم-بی-بی-ایس دہلی کا پیغام

مختلف وقتوں میں انسانی ہدایت کیلئے پرماتما نے ہر قوم بلکہ ملت میں خدا پرست انسان پیدا کئے تاکہ عوام کو صحیح راہ دکھائیں ان سب کا مشن ایک تھا نیکی۔ پریم اور خدا پرستی کا پرچار۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں اور انہیں آپس میں رواداری برتنی چاہئے۔ بجائے اسکے کہ لوگ مذہب کی اس سچی سپرٹ کو سمجھ کر اسپر عمل کرتے انہوں نے مذاہب کو مختلف گروہوں کی شکل دیکر دنیاوی اقتدار کا ذریعہ بنایا جسکا نتیجہ ظلم۔ بے انصافی۔ بے ایمانی ہوا اسی سے مذاہب بدنام ہوئے اور لوگوں کا یقین خدا کی ذات سے ۔۔۔ کیا آج کروڑوں انسان خدا اور مذہب کو چھوڑ کر مادیت کیطرف جا رہے ہیں۔ وہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ مذاہب فساد کی جڑ ہیں۔ انبیاء کا وجود دنیا میں انتشار اور پارٹی بازی پیدا کرتا ہے اور پرماتما نہ کسی کو بچا سکتا ہے اور نہ ظالم کو سزا دے سکتا ہے اگر لوگ بچ سکتے ہیں تو مادی طاقت سے اسلئے آجکل ایٹم بم وغیرہ کا بڑا چرچا ہے اس کا نتیجہ کیا ہو گا ظاہر ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا آئندہ کی تباہی سے بچ جائے تو ضروری ہے کہ اصلی مذہب اور مختلف نبیوں کی سچی تصویر لوگوں کے آگے رکھی جائے تاکہ ایمان پختہ ہو سکے اس نیک کام کو جماعت احمدیہ عرصے سے کر رہی ہے جو ایک عالم کے شکریہ کی مستحق ہے۔

میں جب شری رام۔ کرشن۔ بدھ۔ عیسیٰ۔ محمد۔ نانک یا حضرت مرزا غلام احمد آنجہانی کی زندگیوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے مختلف م (ناتمام)

ہو میں ایک ہی روح کام کرتی دکھائی دیتی ہے جب حقیقت یہ عالم ہو تو مذہب کے نام سے فساد اور فتنہ کیا! تاریخ ہند میں ہندو ہمیشہ رواداری برتی اور ہر نبی کا احترام کیا اور اسے اپنایا مگر بدقسمتی سے غیر ملکی حاکموں کے کارن خاصکر انگریزی سیاست کی بدولت ملک میں بدگمانی پھیلی۔ انگریز نے ہندو جو قوم تھی اسے مذہبی رنگ دیا دوسرے لفظوں میں ہندو مذہب سے مذہب۔ ورمسلمان جو ہندو قوم کا ایک مذہبی گروہ تھا اسے الگ قومیت کی شکل دی اسی سے سب سے بڑا فتنہ اٹھا۔ خیر جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب بھی حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ کوئی محمد دین کہلانے سے مسلمان نہیں بن جاتا اور نہ ہی رامچند کہلانے سے کافر بن جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہند کا ہر باسی ہندو ہے اور ہر نیک اور خدا پرست آدمی مسلمان ہے۔ چاہے اس کا کوئی نام ہو۔ عربی اور سنسکرت ناموں میں کچھ نہیں رکھا۔ یہ سب سیاست ہے جس نے فتنہ پیدا کیا۔ ہر ہندوستانی کو سمجھ لینا چاہئے چاہے وہ اپنے کو ہندو کہتا ہو یا مسلمان کہ وہ عرب میں آج بھی اہل ہند کے نام سے پکارا جاتا ہے آج بھی مکہ میں ہندوستانی و پاکستانی مسلمانوں کو ہندو کہا جاتا ہے۔

قصیدہ نعتیہ

از سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے

پردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے
دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے

وہ یار لامکانی۔ وہ دلبر نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے

وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اسکی ثنا یہی ہے

حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

بقیہ رامچندر کی زندگی کے حالات

ہندو مسلمان اور دیگر اقوام آپکے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ ہندو ہر سال آپ کے واقعات زندگی دہراتے ہیں۔ دسہرا اور دیوالی مناتے ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہندو مسلم دونوں اقوام نے آپ کی فطرت صحیحہ کے مطابق پاکیزہ تعلیم سے آزادانہ طور پر بہت کم فائدہ اٹھایا۔ آج رام راجیہ کو قائم کرنے کے لئے ہر طرف سے پکار ہندو رہی ہے۔ لیکن بہت تھوڑے ہیں جو اس پوتر سلطنت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ وہ عمدہ اخلاق غریبوں سے ہمدردی بیکسوں کی امداد، عورتوں کی حرمت و عفت مظلوم کی حمایت اب ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آتی۔ شری رامچندر جی کی زندگی ہمیں وعدہ ایفائی احسان اور انسانیت سکھاتی ہے۔ انسان کی زندگی کے ہر حصہ میں جو جو فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں۔ ان کو پورا کرنے کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ آپ ان عظیم الشان نبیوں میں سے ہیں جن سے خالق، مخلوق اور عابد و معبود کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ نیک فطرت لوگوں کے لئے آپ کی زندگی کھلی کتاب ہے۔ اور مشعل راہ ہے۔

رام پرشاد کی سنہا ۔۔۔

تقریر بر موقعہ جلسہ پیشوایان مذاہب

منعقدہ ۲۳ر مارچ ۱۹۵۲ء بمقام قادیان

از جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے

ستاون سال قبل ہندوستان میں مذہبی بحث و مباحثے زوروں پر تھے۔ ایک دوسرے کے بزرگوں کو اعتراضات کا نشانہ بنایا جا رہا تھا جس سے ملک کی فضا سخت مسموم ہو رہی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حالت کو دیکھا اور اس کے خطرناک نتائج کو محسوس کیا تو وائسرائے ہند کی خدمت میں ایک میموریل بھجوانے کی تجویز کی بلکہ اشتہاروں کے ذریعہ پیش بھی کر دیا۔ آپ نے یہ درخواست کی تھی کہ مذہبی تقریروں اور تحریروں کے حد اعتدال کے اندر نہ رکھنے کی وجہ سے ملک میں کشیدگی پیدا ہو کر فضا خراب ہو رہی ہے اس لئے ایسا قانون بنایا جائے تا مذہبی تقریروں اور تحریروں میں لوگوں کو مناسب حدود سے تجاوز کرنے کا موقعہ نہ ملے اور کشیدگی میں اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے یہ تجاویز بھی پیش کیں کہ یہ پابندی لگا دی جائے کہ کوئی دوسرے مذہب پر ایسا اعتراض نہ کرے جو خود اپنے مذہب پر پڑتا ہو۔ دوسرے ہر مذہب کی مستند اور مسلّمہ کتب کو پیش کیا جائے نہ کہ رطب و یابس کو کسی مذہب پر حملہ کرنے کا بہانہ نہ بنا لیا جائے۔

افسوس اس درخواست پر جو ۱۸۹۵ء میں پیش کی گئی تھی کوئی توجہ نہ کی گئی جبکہ لوگوں نے مخالفت کی حتیٰ کہ ۱۹۰۸ء میں ایک شخص نے ایک مذہب کے بانی کے خلاف سخت اشتعال انگیز کتاب لکھی اور گندے اعتراضات کئے جس سے ملک بھر میں کشیدگی پیدا ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پھر حکومت کو توجہ دلائی کہ ملک کی فضا کی بہتری اور اخلاقی درستی کے لئے ضروری ہے کہ مذہبی آزادی کے نام پر جو ایک دوسرے پر ناجائز اور نامناسب حملے کئے جاتے ہیں ان کا انسداد کیا جائے تا مذہبی تقریریں اور تحریریں مناسب حدود کے اندر مقید ہوں اور وقتی طور پر یہ تجویز بھی پیش کی کہ کچھ عرصہ کے لئے یہ پابندی لگا دی جائے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کے محاسن پیش کرے لیکن دوسرے مذہب پر اعتراضات نہ کرے تا کہ ملک کی فضا اصلاح پذیر ہو جائے۔ افسوس کہ بروقت کی گئی نصیحت پر حکومت و عوام نے کان نہ دھرا۔

مذہبی کشیدگی کو کم کرنے کی ان مساعی کے علاوہ آپ نے تمام مذاہب کے پیروؤں میں رواداری اور اخوت پیدا کرنے کی انتہائی کوشش فرمائی۔ آپ نے اسلام کی اس تعلیم کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک ملک یا قوم کا خدا نہیں اس لئے وہ مختلف زمانوں میں مختلف اقوام میں اوتار اور نبی بھیجتا رہا ہے اور وہ سب ہمارے لئے واجب التعظیم ہیں اور وہ ہمارے ہی بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ سو جنہوں نے اوتار اور نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قبولیت دنیا میں قائم کر دی۔ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ کیونکہ وہ راستبازوں کو ہی کامیاب کرتا ہے۔ ورنہ سچے اور جھوٹے مدعی میں امتیاز باقی نہیں رہتا۔

حضورؑ نے ہندوستان میں آئندہ رونما ہونے والی حد درجہ کشیدگی کی روک تھام کے لئے پوری کوشش کی۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری چند ایام میں جو آخری کتاب لکھی اس کا نام پیغام صلح ہے۔ اس میں ہندوستان کے باشندوں کو آپ نے توجہ دلائی کہ اس ملک میں جھگڑوں کی اصل وجہ ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں کے متعلق بدزبانی اور بے ادبی کا طریق اختیار کرنا ہے اس لئے آؤ ہم آپس میں محبت و صلح کر لیں۔ آپ نے عملاً یہ تجویز پیش کی کہ آپس میں معاہدہ کیا جائے کہ مسلمان اور ہندو ایک دوسرے کے رشیوں اور انبیاء کے متعلق عزت و احترام کا طریق اختیار کریں گے۔ اور برا بھلا نہیں کہیں گے۔ اور کسی قسم کی گستاخی و بے ادبی کا کلمہ نہیں کہا جائے گا اور دونوں طرف سے دس دس ہزار معزز احباب اس معاہدہ پر دستخط کریں۔ اور جو قوم معاہدہ توڑنے کی مرتکب ہو وہ تین لاکھ روپیہ تاوان ادا کرے۔ اور فرمایا کہ میری جماعت کی تعداد چار لاکھ تک ہو چکی ہے۔ ہم ایسا معاہدہ کرنے کو تیار ہیں۔ ہم ویدوں کے رشیوں۔ حضرت کرشن اور حضرت رامچندر جی کو اسی عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے جس سے ایک نیک۔ سچے انسان کو دیکھا جاتا ہے۔ اور ہم اس صلح اور محبت کی خاطر گاؤکشی کو ترک کرنے کو تیار ہیں۔ اس طرح یہ جھگڑا ابھی دور ہو سکتا ہے۔

چونکہ اس مضمون کے لکھتے ہی آپ وفات پا گئے۔ اس کے ایک ماہ بعد جون ۱۹۰۸ء میں مسٹر جسٹس رائے بہادر پرتول چندر صاحب جج چیف کورٹ پنجاب کی صدارت میں یہ مضمون لاہور میں سنایا گیا اور ہر قوم کے لوگوں نے اس تجویز کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا لیکن افسوس کہ عملاً کوئی کارروائی نہ ہوئی۔

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ اسلام کہتا ہے کہ تمام قوموں میں نبی آتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کان فی الھند نبیا اسود اللون اسمہ کاھن۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے جہاں حضرت بدھ۔ حضرت زرتشت حضرت رامچندر جی کی تصدیق کی ہے اور حضرت باوا نانک صاحب کی بزرگی بیان کی ہے۔ آپ نے حضرت کرشن کی بھی بہت تعریف کی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

”ایک بزرگ اوتار جو اس ملک اور نیز بنگالہ میں بڑی بزرگی اور عظمت کے ساتھ مانے جاتے ہیں جن کا نام سری کرشن ہے۔ وہ اپنے ملہم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ان کے پیرو نہ صرف ان کو ملہم بلکہ پرمیشر کر کے مانتے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ سری کرشن اپنے وقت کا نبی اور اوتار تھا اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا تھا۔“ (پیغام صلح صفحہ ۱)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

”راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔“ (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۱)

دوستو! مذہبی امور میں جائز حدود کو اختیار نہ کیا گیا جس کا نتیجہ جو نکلا آپ کے سامنے ہے۔ اور معلوم نہیں کہ اس خونی ڈرامہ کے نتائج ہم کب تک بھگتیں گے۔ مذہب کے نام پر ایک دوسرے کو قتل کیا گیا۔ لوٹا گیا اور تباہ کیا گیا۔ یہ تباہی کے کھلے کھلے اثرات ہر دو ممالک میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ حضور نے ان کو ان فسادات سے انتالیس سال پہلے بھانپا اور اپنے ہم ملکیوں کو نصیحت کی جو ان کے لئے اپنی زندگی میں آخری پیغام تھا۔ پھر حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ نے قریباً پچیس سال قبل اس قسم کے جلسہ کی تجویز نکالی کہ جیسا جلسہ ہم آج منعقد کر رہے ہیں کہ ایک ہی سٹیج سے مختلف اوتاروں اور نبیوں کی زندگی کے نیک سوانح غیر مذہب والوں کی زبانی سنائے جائیں تا جذبہ رواداری بڑھے اور آپس میں مختلف مذاہب کے پیروؤں میں محبت و صلح بڑھے۔ یہ جلسے تمام دنیا بھر میں ہمیشہ جماعت احمدیہ منعقد کرتی تھی۔ آج کے روز بھی ہندوستان کی تمام احمدیہ جماعتیں یہ جلسہ منعقد کر رہی ہیں۔ یہ تجویز اور ہمارا طریق کار جس قدر پسندیدہ ہے آپ مسٹر ریٹ صاحب کی زبانی سنیئے۔ وہ اخبار فرنٹیئر میل ڈیرہ دون میں ۱۷ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو تحریر کرتے ہیں کہ

”احمدیہ جماعت مسلمانوں میں ایک ترقی کرنے والی جماعت ہے۔ احمدیوں کی بنیادی تعلیم میں سے ایک تمام مذاہب کے ساتھ رواداری کا سلوک کرنا بھی ہے۔ احمدی تمام مذاہب کے پیشواؤں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کی اچھی باتوں کو اپنے اندر شامل کرتے ہیں چالیس سال پیشتر جبکہ ابھی مہاتما گاندھی سیاست ہند کے افق پر ظاہر نہ ہوئے تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جنہوں نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا نے اپنی کتاب پیغام صلح لکھی اور اس میں ایسی تجویزیں لوگوں کے سامنے رکھیں کہ جن پر چل کر آپس میں اتحاد و اتفاق اور صلح پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو کہا کہ وہ گائے کا ذبیحہ چھوڑ دیں اور ہندوؤں سے خواہش کی کہ وہ مسلمانوں کے بزرگوں کو برے الفاظ میں یاد نہ کریں آپ نے اس طرح لوگوں میں رواداری کا جذبہ اور بھائیوں کی سی محبت پیدا کرنا چاہی۔ آپ کی شخصیت کی قدر کرنی چاہیئے کہ آپ نے اپنی تیز نگاہ سے آئندہ آنے والے فسادات اور بدامنی کے دھندلے نقشوں کو دیکھ لیا اور اس کے تدارک کے لئے تجویزیں پیش کیں۔ لیکن یہ لوگوں کا قصور ہے کہ انہوں نے ان تجاویز پر عمل نہ کر کے اپنا نقصان کیا۔“

سوال یہ ہے کہ بھائیو! کہتے ہیں دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اور عقلمند وہی ہے جو ایک سوراخ سے دوسری بار ڈسا نہ جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم تمام اقوام جو ہندوستان میں آباد ہیں آپس کے تعلقات کی بنیاد ایسی صلح پسندی اور محبت کے اصولوں پر رکھیں کہ گذشتہ والی خونی ہولی دوبارہ کھیلا جانا ہمیشہ کے لئے ناممکن ہو جائے۔

حضرت بانی اسلام محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق طیبہ

از رشحات قلم حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

آنحضرت صلعم کی ظاہری و باطنی صفائی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے۔ کہ نہ آپ کبھی بد کلامی کرتے تھے۔ اور نہ فضول قسمیں کھایا کرتے تھے (بخاری کتاب الادب) عرب میں رہتے ہوئے اس قسم کے اخلاق غیر معمولی چیز تھے۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ عرب لوگ عادتاً فحش کلامی کرتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ عرب لوگ عادتاً قسمیں کھایا کرتے تھے۔ اور آج تک بھی عرب میں قسم کا رواج کثرت سے پایا جاتا ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کا اتنا ادب کرتے تھے۔ کہ اس کا بے موقعہ نام لینا آپ کبھی پسند نہ کرتے تھے۔ صفائی کا آپ کو خاص طور پر خیال رہتا تھا آپ ہمیشہ مسواک کرتے تھے۔ اور اس بارہ میں اتنا زور دیتے تھے۔ کہ بعض دفعہ فرماتے۔ اگر میں اس بات سے نہ ڈروں کہ مسلمان تکلیف میں پڑ جائیں گے۔ تو میں ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دے دوں۔ (مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ)

کھانا کھانے سے پہلے بھی آپ ہاتھ دھوتے تھے۔ اور کھانا کھانے کے بعد بھی آپ ہاتھ دھوتے اور کلی کرتے تھے۔ بلکہ ہر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد کلی کرتے۔ اور آپ پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد بغیر کلی کئے کے نماز پڑھنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

مساجد جو مسلمانوں کے جمع ہونے کی واحد جگہ ہیں۔ ان کی صفائی کا آپ خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ اور آپ مسلمانوں کو اس بات کی تحریک کرتے رہتے تھے۔ کہ خاص طور پر اجتماع کے دنوں میں مسجدوں کی صفائی کا خیال رکھا کریں۔ اور ان میں خوشبو جلایا کریں۔ تاکہ ہوا صاف ہو جائے۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ) اسی طرح آپ ہمیشہ صحابہ کو یہ نصیحت کرتے رہتے تھے۔ کہ اجتماع کے موقعہ پر بدبودار چیزیں کھا کر مسجد میں نہ آیا کریں (بخاری کتاب الاطعمۃ)

سڑکوں کی صفائی کا آپ خاص طور پر وعظ فرماتے تھے۔ اگر سڑک پر جھاڑیاں یا پتھر یا کوئی اور گندی چیز پڑی ہوتی۔ تو آپ خود اس کو اٹھا کر سڑک سے ایک طرف کر دیتے اور فرماتے۔ کہ جو شخص سڑکوں کی صفائی کا خیال رکھتا ہے۔ خدا اس پر خوش ہوتا ہے۔ اور اسے ثواب عطا فرماتا ہے۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ) اسی طرح آپ فرماتے تھے۔ کہ رستہ کو روکنا نہیں چاہیئے۔ رستوں پر بیٹھنا یا ان میں کوئی ایسی چیز ڈال دینا۔ جس سے مسافروں کو تکلیف ہو۔ یا رستہ میں قضائے حاجت وغیرہ کرنا۔ یہ خدا تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ) پانی کی صفائی کا بھی آپ کو خاص خیال تھا۔ آپ ہمیشہ اپنے صحابہ کو یہ نصیحت فرماتے تھے۔ کہ کھڑے پانی میں کسی قسم کا گند نہیں ڈالنا چاہیئے۔ اسی طرح سے کھڑے پانی میں بول و براز کرنے سے بھی آپ سختی سے روکتے تھے۔ (بخاری کتاب الوضوء)

خدا تعالیٰ سے محبت اور اسکی عبادت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی عشقِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ باوجود بہت بڑی جماعتی ذمہ داری کے دن اور رات آپ عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ نصف رات گذرنے پر آپ خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور صبح تک عبادت کرتے چلے جاتے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اور آپ کے دیکھنے والوں کو آپکی حالت پر رحم آتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ایسے ہی موقعہ پر کہا یا رسول اللہ! آپ تو خدا تعالیٰ کے بہت ہی مقرب ہیں۔ آپ اپنے نفس کو اتنی تکلیف کیوں دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ! اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ جب یہ بات سچی ہے کہ خدا تعالیٰ کا میں مقرب ہوں۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کر کے مجھے اپنا قرب عطا فرمایا ہے۔ تو کیا میرا یہ فرض نہیں۔ کہ جتنا ہو سکے میں اس کا شکریہ ادا کروں۔ کیونکہ آخر شکر احسان کے مقابل پر ہی ہوا کرتا ہے۔

آپ کوئی بڑا کام بغیر اذن الٰہی کے نہیں کرتے تھے۔ باوجود مکہ کے لوگوں کے شدید ظلموں کے آپ نے مکہ اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل نہ ہوئی۔ اور وحی کے ذریعہ سے آپکو مکہ چھوڑنے کا حکم نہ دیا گیا۔ اہل مکہ کے ظلموں کی شدت کو دیکھکر آپ نے جب صحابہؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی۔ اور انہوں نے آپ سے خواہش ظاہر کی کہ آپ بھی ان کے ساتھ چلیں۔ تو آپ نے فرمایا مجھے ابھی خدا تعالیٰ کی طرف سے اذن نہیں ملا۔ ظلم اور تکلیف کے وقت جب لوگ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو اپنے ارد گرد اکٹھا کر لیتے ہیں۔ آپ نے اپنی جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے جانے کی ہدایت کی اور خود اکیلے مکہ میں رہ گئے اسلئے کہ آپ کے خدا نے آپ کو ابھی ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

خدا کا کلام آپ سنتے۔ تو بے اختیار ہو کر آپکی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ خصوصاً وہ آیات جن میں آپ کو اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن شریف کی کچھ آیات مجھے پڑھ کر سناؤ۔ میں نے اس کے جواب میں کہا۔ یا رسول اللہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے۔ میں آپ کو کیا سناؤں۔ آپ نے فرمایا۔ میں پسند کرتا ہوں۔ کہ دوسرے لوگوں سے بھی قرآن پڑھوا کر سنوں۔ اس پر میں نے سورۃ نساء پڑھ کر سنانی شروع کی۔ جب پڑھتے پڑھتے میں اس آیت پر پہنچا کہ فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا۔ یعنی اس وقت کیا حال ہوگا۔ جب ہم ہر قوم میں سے اس کے نبی کو اسکی قوم کے سامنے کھڑا کر کے اس قوم کا حساب لیں گے۔ اور تجھ کو بھی تیری قوم کے سامنے کھڑا کر کے اس کا حساب لیں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بس کرو۔ بس کرو" میں نے آپکی طرف دیکھا۔ تو آپ کی دونو آنکھوں سے ٹپ ٹپ کر کے آنسو بہہ رہے تھے۔

نماز کی پابندی کا آپ کو اتنا خیال تھا۔ کہ سخت بیماری کی حالت میں جبکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے گھر میں نماز پڑھ لینے اور لیٹ کر پڑھ لینے تک کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ آپ سہارا لیکر مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے آتے۔ ایک دن آپ نماز کے لئے نہ آ سکے۔ تو حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا۔ لیکن اتنے میں طبیعت میں کچھ سہولت محسوس ہوئی۔ تو فوراً دو آدمیوں کا سہارا لیکر مسجد کی طرف چل پڑے۔ مگر کمزوری کا یہ حال تھا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ آپ کے دونو پاؤں زمین پر گھسٹتے چلے جاتے تھے۔

دنیا میں خوشنودی اور توجہ دلانے کے لئے تالیاں پیٹی جاتی ہیں۔ عربوں میں بھی یہی رواج تھا۔ مگر آپ کو خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر اتنا پسند تھا۔ کہ اس غرض کے لئے بھی ذکر الٰہی استعمال کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے۔ کہ نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ نماز پڑھادیں۔ اتنے میں آپ کام سے فارغ ہو گئے۔ اور فوراً مسجد کی طرف چل پڑے۔ جب آپ مسجد میں پہنچے۔ تو ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ مسجد میں آگئے ہیں۔ تو بے تابی سے ہو کر تمام نماز پڑھنے والوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔ جس سے ایک

گورنر صاحب مغربی بنگال کا پیغام

جلسہ پیشوایانِ مذاہب کے موقعہ پر

"مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ کہ آپ مرکز جماعت احمدیہ قادیان میں مورخہ ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۵۲ء کو ایک صلح و اتحاد کی کانفرنس منعقد کر رہے ہیں۔

جماعت احمدیہ جو اسلام کی حقیقی تفسیر پیش کرتی ہے۔ اور بین الاقوامی اتحاد و اخوت کی تعلیم کو پھیلاتی ہے۔ اس قابل ہے۔ کہ وہ دنیا کی تمام اقوام میں امن و صلح کے قیام کے لئے ایک بڑی طاقت ثابت ہو۔"

راج بھون، کلکتہ۔ ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۵ء

دستخط۔ ایچ سی بنرجی۔ گورنر بنگال

طرف تھے۔ اور دوسرا مقصود تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے ان کے دل بے انتہا خوش ہوگئے ہیں۔ اور دوسرا طرف ابو بکرؓ کو توجہ دلانا مقصود تھا کہ اب آپکی امامت ختم ہوئی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے امام کی جگہ چھوڑ دی۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو بکرؓ جب میں نے تم کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ تو تم پیچھے کیوں ہٹ گئے۔ ابو بکرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ اللہ کے رسولؐ کی موجودگی میں ابو قحافہ کا بیٹا کیا حیثیت رکھتا تھا۔ کہ نماز پڑھائے۔ پھر آپ صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تالیاں پیٹنے سے تمہاری کیا غرض تھی۔ خدا کے ذکر کے وقت میں تالیوں کا پیٹنا تو نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ جب نماز کے وقت کوئی ایسی بات ہو۔ کہ اسکی طرف توجہ پھیرانی ضروری ہو۔ تو بجائے تالیاں پیٹنے کے خدا کا نام بلند آواز سے لیا کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو خود بخود دوسروں کی توجہ اس واقعہ کی طرف پھر جائیگی۔ مگر اس کے ساتھ ہی آپ تکلف کی عبادت بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ گھر میں گئے۔ تو آپ نے دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹکی ہوئی ہے۔ آپ نے پوچھا یہ رسی کیوں بندھی ہوئی ہے۔ تو لوگوں نے کہا یہ حضرت زینب کی رسی ہے۔ جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں۔ تو اس رسی کو پکڑ کر سہارا لے لیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ رسی کھول دو۔ ہر شخص کو چاہیئے۔ کہ اتنی دیر عبادت کیا کرے۔ جب تک اس کے دل میں بشاشت رہے۔ جب وہ تھک جائے۔ تو بیٹھ جائے۔ اس قسم کی تکلف والی عبادت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

خدا پر توکل

خداتعالیٰ پر توکل کا یہ حال تھا۔ کہ جب ایک شخص نے اکیلے پاکر آپ پر تلوار اٹھائی۔ اور آپ سے پوچھا۔ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟ اس وقت باوجود اس کے کہ آپ بے ہتھیار تھے۔ اور بوجہ لیٹے ہونے کے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے نہایت اطمینان اور سکون سے آپ نے جواب دیا "اللہ"۔ یہ لفظ اس یقین اور وثوق سے آپ کے منہ سے نکلا۔ کہ اس کافر کا دل بھی آپ کے ایمان کی بلندی اور آپ کے یقین کے کامل ہونے کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور وہ جو آپ کو قتل کرنے کے لئے آیا تھا۔ آپ کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ (مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل)۔ خداتعالیٰ کے مقابلہ میں انکساری کی یہ حد تھی۔ کہ جب آپ سے لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ تو اپنے عمل کے زور سے خدا کے فضل کو حاصل کرلیں گے۔ تو آپ نے فرمایا نہیں! نہیں! میں بھی خدا کے احسان سے ہی بخشا جاؤنگا چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں۔ میں نے ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے۔ کوئی شخص اپنے عملوں سے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ بھی اپنے اعمال سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا میں بھی اپنے اعمال کے زور سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ہاں خدا کا فضل اور اسکی رحمت مجھے ڈھانک لے۔ تو یہی ایک صورت ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق) پھر آپ نے فرمایا اپنے کاموں میں نیکی اختیار کرو۔ اور خداتعالیٰ کے قرب کی راہیں تلاش کرو۔ اور تم میں سے کوئی شخص اپنی موت کی خواہش نہ کیا کرے۔ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو زندہ رہ کر اپنی نیکیوں میں اور بھی بڑھ جائے گا اور اگر بد ہے۔ تو زندہ رہ کر اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق مل جائیگی (بخاری کتاب المتمنی و کتاب الدعوات)

خداتعالیٰ کی محبت کی یہ حالت تھی۔ کہ جب ایک وقفہ کے بعد بادل آتے۔ تو آپ اپنی زبان پر بادل کا قطرہ لے لیتے اور فرماتے۔ میرے رب کی تازہ نعمت۔ جب مجلس میں بیٹھتے۔ تو استغفار کرتے رہتے۔ اور یوں بھی اکثر استغفار کرتے۔ تاکہ آپکی امت اور آپ کے ساتھ تعلق رکھنے والے خداتعالیٰ کے غضب سے بچے رہیں۔ اور خداتعالیٰ کی بخشش کے مستحق ہو جائیں۔ (بخاری کتاب الدعوات و مسلم کتاب الذکر والدعاء) ہر وقت خداتعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کی یاد کو تازہ رکھتے۔ چنانچہ جب آپ سوتے تو یہ کہتے ہوئے سوتے باسمك اللھم اموت واحیی اے خدا تیرا ہی نام لیتے ہوئے میں مروں۔ اور تیرا ہی نام لیتے ہوئے میں اٹھوں۔ اور جب آپ صبح اٹھتے تو فرماتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔ اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں۔ جس نے مرنے کے بعد ہم کو زندہ کیا۔ اور پھر ہم اپنے رب کے سامنے جانے والے ہیں۔ (بخاری کتاب الدعوات) خداتعالیٰ کے قرب کی اتنی خواہش تھی۔ کہ ہمیشہ آپ خداتعالیٰ سے دعا کرتے رہتے تھے۔ اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری نوراً وفی سمعی نوراً وعن یمینی نوراً وعن یساری نوراً وفوقی نوراً وتحتی نوراً وامامی نوراً وخلفی نوراً واجعل لی نوراً (بخاری کتاب الدعوات عن ابن عباس) یعنی اے میرے رب میرے دل میں بھی اپنا نور بھر دے۔ میری آنکھوں میں بھی اپنا نور بھر دے۔ اور میرے کانوں میں بھی اپنا نور بھر دے۔ میرے دائیں بھی تیرا نور ہو۔ اور میرے بائیں بھی تیرا نور ہو۔ اور میرے اوپر بھی تیرا نور ہو۔ اور میرے نیچے بھی تیرا نور ہو۔ اور میرے آگے بھی تیرا نور ہو۔ اور میرے پیچھے بھی تیرا نور ہو۔ اور اے میرے رب میرے سارے وجود کو نور ہی نور بنا دے۔

اخلاق فاضلہ

آپکی طبیعت نہایت ہی سادہ تھی۔ کسی دکھ پر گھبراتے نہیں تھے۔ اور کبھی کسی خواہش سے حد سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے تھے۔ آپکی پیدائش سے پہلے آپ کے والد اور بچپن میں ہی آپ کی والدہ فوت ہوگئی تھیں۔ ابتدائی آٹھ سال آپ نے اپنے دادا کی نگرانی میں گذارے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے چچا ابو طالب کی ولایت میں پرورش پائی۔ چچا کا خونی رشتہ بھی تھا۔ اور ان کے والد نے بھی مرتے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔ اس لئے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص طور پر محبت بھی رکھتے تھے اور آپ کا خیال بھی رکھتے تھے۔ لیکن چچی میں نہ وہ شفقت کا مادہ تھا۔ نہ خاندانی ذمہ داریوں کا احساس۔ جب گھر میں کوئی چیز آتی۔ تو بسا اوقات وہ اپنے بچوں کو پہلے دیتیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نہ رکھتیں۔ ابو طالب گھر میں آتے تو بجائے اس کے کہ اپنے چھوٹے بھتیجے کو روتا ہوا یا گلہ کرتا ہوا پاتے۔ وہ دیکھتے کہ ان کے بچے کوئی چیز کھا رہے ہیں۔ لیکن ان کا چھوٹا سا بھتیجا کونہ وقار بنا ایک طرف بیٹھا ہے۔ چچا کی محبت اور خاندانی ذمہ داریاں ان کے سامنے آ جاتیں۔ وہ دوڑ کر اپنے بھتیجے کو بغل میں لے لیتے اور کہتے۔ میرے بچے کا بھی تو خیال کرو۔ ایسا اکثر ہوتا رہتا تھا۔ مگر دیکھنے والے بتاتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی شکوہ کیا۔ نہ آپ کے چہرہ پر کبھی ملال ظاہر ہوا۔ نہ اس وجہ سے کبھی چڑچڑاپن پیدا ہوا۔ نہ اپنے چچیرے بھائیوں سے کبھی رقابت پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ کی زندگی بتاتی ہے۔ کہ کس طرح آپ نے بڑے ہوئے حالات میں حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ کو اپنی تربیت میں لیا۔ اور ہر طرح سے انکی بہتری کی تدابیر کیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دنیوی طور پر بھی نہایت ہی تلخ طور پر گذری ہے۔ پیدائش سے پہلے ہی اپنے والد کی وفات۔ پھر والدہ اور دادا کی یکے بعد دیگرے وفات۔ پھر جب شادی ہوئی تو آپ کے بچے متواتر فوت ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد پے درپے آپکی کئی بیویاں فوت ہوئیں جن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی باوفا اور خدمتگذار بیوی بھی تھیں۔ مگر آپ نے ان سب مصائب کو خوشی سے برداشت کیا۔ اور ان غموں نے نہ آپکی کمر توڑی۔ نہ آپکی خوش مزاجی پر کوئی اثر ڈالا۔ دل کے زخم کبھی آنکھوں سے نہیں پھوٹے۔ چہرہ ہر ایک کے لئے بشاش رہا۔ اور شاذ و نادر ہی کسی وقعہ پر آپ نے اس درد کا اظہار کیا۔ ایک دفعہ ایک عورت جس کا لڑکا فوت ہو گیا تھا۔ اپنے لڑکے کی قبر پر ماتم کر رہی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے تو آپ نے فرمایا اے عورت صبر کر۔ خدا کی مشیت ہر ایک پر غالب ہے۔ وہ عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی نہ تھی۔ اس نے آگے سے جواب دیا۔ جس طرح میرا بچہ مرا ہے۔ تمہارا بچہ بھی مرتا۔ تو تمہیں معلوم ہوتا۔ کہ صبر کیا چیز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف یہ کہہ کر وہاں سے آگے چل پڑے۔ ایک نہیں میرے سات بچے فوت ہو چکے ہیں۔ بس اس قسم کے موقع پر اتنا اظہار تھا۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گذشتہ مصائب پر کبھی کر دیا کرتے تھے۔ ورنہ بنی نوع انسان کی خدمت میں کوئی کوتاہی ہوئی۔ نہ آپ کی بشاشت میں کوئی فرق آیا۔

انصاف

انصاف اور عدل آپ کے اندر اتنا پایا جاتا تھا۔ کہ جسکی مثال دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ عربوں میں لحاظ داری اور سفارشوں کا قبول کرنا ایک عام مرض تھا۔ عرب کا کیا ذکر ہے۔ اس زمانہ کے متمدن ممالک میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ بڑے آدمیوں کو سزا دیتے وقت جھجکتے ہیں۔ اور غریبوں کو سزا دیتے وقت نہیں گھبراتے۔ ایک دفعہ ایک مقدمہ آپ کے پاس آیا۔ ایک بہت بڑے خاندان کی کسی عورت نے کسی دوسرے کا مال دبا لیا تھا

جناب سردار سوجان سنگھ صاحب پریذیڈنٹ آل انڈیا پریم سبھا کا پیغام

"میں آپ کے دعوت نامہ کا ممنون ہوں۔ [illegible] ہر ایک ہو سکی پوری کوشش کرونگا۔ مجھے آپ کے نیک مقصد سے پوری ہمدردی ہے۔ اگر آپ میرے تعاون پر انحصار کر سکتے ہیں۔ مہربانی کرکے میرا پریم اور اتحاد کا پیغام حاضرین تک پہنچا دیں جیسا کہ آپ کو بخوبی معلوم ہے۔ میں فرقہ پرستی اور نفرت وغیرہ کے خلاف پوری جدوجہد کرتا ہوا نبرد آزما ہوں۔ ہندوستانیوں میں مکمل اتحاد اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ میری تمنا ہے۔ کہ یہ جلسہ ہر طرح کامیاب ہو"

جب حقیقت کھل گئی۔ تو مسلموں میں بڑا ہیجان پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ایک بہت بڑے معزز خاندان کی ہتک ہوتی انہیں نظر آئی۔ انہوں نے چاہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ درخواست پیش کریں۔ کہ اس عورت کو معاف کر دیا جائے۔ اور تو کسی شخص نے جرات نہ کی۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز اسامہ بن زیدؓ کو لوگوں نے چنا اور انہیں مجبور کیا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کی سفارش کریں۔ اسامہ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات شروع ہی کی تھی۔ کہ آپؐ کے چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا اسامہ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ پہلی قومیں اسی طرح تباہ ہوئیں۔ کہ وہ بڑوں کا لحاظ کرتی تھیں۔ اور چھوٹوں پر ظلم کرتی تھیں۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ اور میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی اس قسم کا جرم کرتی۔ تو میں اُسے سزا دئے بغیر نہ رہتا۔

بدر کی جنگ میں جب حضرت عباسؓ قید ہوئے۔ تو ان کے کراہنے سے آپؐ کو تکلیف محسوس ہوئی۔ لیکن جب صحابہؓ نے آپکی تکلیف کو دیکھکر حضرت عباسؓ کی رسیاں کھولدیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہو گئی۔ تو آپؐ نے فرمایا جیسے میرے رشتہ دار ویسے ہی دوسروں کے رشتہ دار یا تو میرے چچا عباسؓ کو بھی پھر رسیوں سے باندھ دو اور یا سارے قیدیوں کی رسیاں کھول دو۔ صحابہؓ کو چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا احساس تھا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم پہرہ سخت دے لیں گے۔ لیکن سب قیدیوں کی رسیاں ہم کھول دیتے ہیں۔ چنانچہ سب قیدیوں کی رسیاں انہوں نے کھولدیں۔

غرباء کا خیال اور ان کے جذبات کا احترام

آپؐ ہمیشہ غرباء کے حالات کو درست رکھنے کی کوشش رکھتے۔ اور ان کو سوسائٹی میں مناسب مقام دینے کی سعی فرماتے۔ ایک دفعہ آپؐ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک امیر آپؐ کے سامنے سے گذرا۔ آپؐ نے ایک ساتھی سے دریافت کیا۔ کہ اس شخص کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا یہ معزز اور امیر لوگوں میں سے ہے۔ اگر یہ کسی لڑکی سے نکاح کی خواہش کرے۔ تو اسکی درخواست قبول کی جائیگی اور اگر یہ کسی کی سفارش کرے۔ تو اسکی سفارش مانی جائیگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر خاموش رہے۔ اس کے بعد ایک اور شخص گذرا۔ جو غریب اور نادار معلوم ہوتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ساتھی سے پوچھا۔ تمہاری اس کے بارہ میں کیا رائے ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ یہ غریب آدمی ہے۔ اور اس لائق ہے۔ کہ اگر یہ کسی کی لڑکی سے نکاح کی درخواست کرے۔ تو اس کی درخواست قبول نہ کی جائے۔ اور اگر سفارش کرے تو سفارش نہ مانی جائے۔ اور اگر یہ باتیں سنانا چاہے۔ تو اسکی باتوں کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ نے فرمایا۔ اس غریب آدمی کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ کہ ساری دُنیا سونے سے بھر دی جائے (بخاری کتاب الرقاق باب فضل الفقر)

ایک غریب عورت مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دن اس کو نہ دیکھا۔ تو آپؐ نے پوچھا وہ عورت نظر نہیں آتی لوگوں نے بتایا کہ وہ فوت ہو گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب وہ فوت ہو گئی تھی۔ تو تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ کہ میں بھی اس کے جنازہ میں شامل ہوتا۔ پھر فرمایا شاید تم نے اس کو غریب سمجھ کر حقیر جانا ایسا کرنا درست نہیں تھا۔ مجھے بتاؤ اُسکی قبر کہاں ہے۔ پھر آپؐ اسکی قبر پر گئے۔ اور جا کر اس کے لئے دعا کی۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب کنس المسجد)

آپ فرمایا کرتے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سر کے بال پراگندہ ہوتے ہیں۔ اور ان کے جسموں پر مٹی پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر وہ لوگوں سے ملنے جائیں۔ تو لوگ اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ اگر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا بیٹھیں۔ تو خدا تعالیٰ کو ان کا اتنا احترام ہوتا ہے۔ کہ وہ انکی قسم پوری کر کے چھوڑتا ہے۔ (مسلم جلد ۲ کتاب البر والصلۃ باب فضل الضعفاء)

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ غریب صحابہؓ جو کسی وقت غلام ہوتے تھے۔ بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو سفیان ان کے سامنے سے گذرے۔ تو انہوں نے اس کے سامنے اسلام کی جیت کا کچھ ذکر کیا۔ حضرت ابو بکرؓ سن رہے تھے۔ انہیں یہ بات بری معلوم ہوئی کہ قریش کے سردار کی ہتک کی گئی ہے۔ اور انہوں نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ کیا تم قریش کے سردار اور ان کے افسر کی اس طرح ہتک کرتے ہو۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہی بات شکایتاً بیان کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو بکرؓ شاید تم نے اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں کو ناراض کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھو کہ تمہارا رب بھی تم سے ناراض ہو جائے گا۔ حضرت ابو بکرؓ اسی وقت اُٹھے۔ اور اُٹھ کر ان لوگوں کے پاس واپس آئے۔ اور آ کر کہا۔ اے میرے بھائیو! کیا میری بات سے تم ناراض ہو گئے ہو۔ اس پر ان غلاموں نے جواب دیا اے ہمارے بھائی۔ ہم ناراض نہیں ہوئے۔ خدا آپ کا قصور معاف کرے۔ (مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل سلمان وصہیب وبلال رضی اللہ عنہم)

مگر جہاں آپؐ غرباء کی عزت اور ان کے احترام کو قائم کرتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا فرماتے تھے۔ وہاں ان کو عزتِ نفس کا بھی سبق دیتے تھے اور سوال کرنے سے منع فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ہمیشہ فرماتے تھے مسکین وہ نہیں۔ جس کو ایک کھجور یا دو کھجوریں یا ایک لقمہ یا دو لقمے تسلی دے دیں۔ مسکین وہ ہے۔ کہ خواہ کتنی ہی تکلیفوں سے گذرے۔ سوال نہ کرے۔ (بخاری کتاب الکروب باب قول اللہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا)

آپ اپنی جماعت کو یہ بھی نصیحت کرتے رہتے تھے کہ ہر وہ دعوت جس میں غرباء کو نہ بلایا جائے۔ وہ بدترین دعوت ہے۔ (بخاری کتاب النکاح باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ ایک دفعہ ایک غریب عورت میرے پاس آئی اور اس کے ساتھ اسکی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ اس وقت ہمارے گھر میں سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ تھا۔ میں نے وہی کھجور اس کو دے دی۔ اس نے وہ کھجور آدھی آدھی کر کے دونوں لڑکیوں کو کھلا دی اور پھر اٹھ کر چلی گئی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے۔ تو میں نے آپؐ کو یہ واقعہ سنایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس غریب کے گھر میں بیٹیاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ خدا تعالیٰ اُسے قیامت کے دن عذاب دوزخ سے بچائیگا۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس عورت کو اس کے اس فعل کی وجہ سے جنت کا مستحق بنا دے گا۔ (مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل باب فضل الاحسان الی البنات)

اسی طرح ایک دفعہ آپ کو معلوم ہوا۔ کہ آپؐ کے ایک صحابی سعدؓ جو مالدار تھے۔ وہ بعض دوسرے لوگوں پر اپنی فضیلت ظاہر کر رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سُنی تو فرمایا۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ تمہاری یہ قوت اور طاقت اور تمہارا یہ مال تمہیں اپنے زور بازو سے ملے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ تمہاری قومی طاقت اور تمہارے مال سب غرباء ہی کے ذریعہ آتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرمایا کرتے تھے اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین یوم القیامۃ (ترمذی جلد ۲ ابواب الزھد) یعنی اے اللہ مجھے مسکین ہونے کی حالت میں زندہ رکھ مسکین ہونے کی حالت میں

"ایشور کا نور"

اُس کو اَوتار کہو چاہے پیغمبر کہہ لو
یا اُسے گلشنِ فطرت کا گلِ تر کہہ لو
اُس کو تم چاہے ضیاءُ اللہ و اختر کہہ لو
یا کہ خورشید کے لمعات کا جوہر کہہ لو
اُس کی ہوتی ہے زمانہ میں اسوقت نمود
جبکہ ہو جاتی ہے زمانہ سے حقیقت مفقود
رام بن کر یہی دُنیا میں نمودار ہوا
اَور یہی کرشن کنھیا کا بھی اَوتار ہوا
شکلِ موسیٰ میں اسی نور کا اظہار ہوا
بن کے احمدؐ یہی دنیا میں ضیا بار ہوا

(ڈیتیج کرشن نمبر ۱۹۳۰ء)

. . . .
. . . .
. . . .
. . . .

وفات دے۔ اور مساکین کے زمرہ میں ہی قیامت کے دن مجھ اٹھا۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے جارہے تھے۔ تو آپؐ کے غریب صحابی جو اتفاقی طور پر نہایت بد صورت بھی تھے۔ گرمی کے موسم میں بوجھ اٹھا اٹھا کر ایک طرف سے دوسری طرف منتقل کر رہے تھے۔ ایک طرف ان کا چہرہ بد صورت تھا۔ تو دوسری طرف گرد و غبار اور پسینہ کی وجہ سے وہ اور بھی بد نما نظر آرہا تھا۔ عین اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں سے گذرے۔ اور آپؐ نے ان کے چہرہ پر افسردگی کی علامتیں دیکھیں۔ آپؐ خاموشی سے ان کے پیچھے چلے گئے۔ اور جیسے بچے آپس میں کھیلتے وقت چوری چھپے پیچھے کی طرف سے جاکر کسی دوست کی آنکھ پر ہاتھ رکھ دیتے۔ اور پھر یہ امید کرتے ہیں۔ کہ وہ اندازہ لگاکر بتائے۔ کہ کس شخص نے اسکی آنکھیں بند کی ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے ان کی آنکھوں پر جاکر ہاتھ رکھدیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کے بازو اور جسم کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اور سمجھ لیا۔ کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یوں بھی وہ سمجھتا تھا۔ کہ اتنے غریب۔ اتنے بد صورت اور اتنے بدحال آدمی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اپنی محبت کا اظہار اور کون کر سکتا ہے۔ یہ معلوم کرکے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے ساتھ اظہار محبت کر رہے ہیں۔ اس نے اپنا مٹی آلود اور پسینہ سے بھرا ہوا جسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے ساتھ ملنا شروع کیا۔ شاید وہ یہ دیکھتا تھا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپؐ کا حوصلہ کتنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے۔ اور اس کو اس حرکت سے منع نہ کیا۔ جب وہ پیٹ بھر کے آپؐ کے کپڑوں کو خراب کر چکا۔ تو آپؐ نے مذاقاً فرمایا۔ میرے پاس ایک غلام ہے۔ کوئی اس کا خریدار ہے؟ آپؐ کے اس فقرہ نے اس کو عرش سے فرش پر لاکر پھینک دیا۔ اور اس بات کی طرف اس کی توجہ پھرادی۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون مجھ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اور میں کس قابل ہوں کہ غلام کرکے ہی کوئی مجھے خریدے۔ اس نے افسردگی سے کہا یا رسول اللہ میرا خریدار دنیا میں کوئی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں۔ ایسا مت کہو۔ تمہاری قیمت خدا کی نظر میں بہت زیادہ ہے۔

آپؐ نہ صرف خود غرباء کا خیال رکھتے تھے بلکہ اپنی جماعت کو بھی غرباء کا خیال رکھنے کی ہمیشہ نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے۔ کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی حاجت مند آتا۔ تو آپؐ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرماتے۔ کہ آپ بھی اسکی سفارش کریں۔ تاکہ نیک کام کی سفارش کے ثواب میں شامل ہو جائیں۔ (بخاری و مسلم) اس طرح آپؐ ایک طرف تو اپنی جماعت کے لوگوں کے دلوں میں غرباء کی امداد کا احساس پیدا کرتے تھے۔ اور دوسری طرف خودسوالی کے دل میں دوسرے مسلمانوں کی نسبت

محبت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔

نے ایک دفعہ بیتاب ہو کر کہا۔ آہ مجھ سے اپنے باپ کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا۔ صبر کرو آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ (بخاری) یعنی میری تکالیف اس دنیا کی زندگی تک محدود ہیں۔ آج میں اپنے رب کے پاس چلا جاؤنگا۔ جس کے بعد میرے لئے تکلیف کی کوئی گھڑی نہیں آئیگی۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ آپ ہمیشہ ... بیماریوں میں ... ایک شہر سے دوسرے شہر کو بھاگ جانا ناپسند فرماتے تھے ... کیونکہ ... اس ... وجہ

جناب سردار نرنجن سنگھ صاحب ایم ایس سی

پرنسپل پنجاب یونیورسٹی کیمپ کالج دہلی کا پیغام

"مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ کہ احمدیہ جماعت قادیان ضلع گورداسپور میں ایک مذہبی کانفرنس کر رہی ہے جس میں سب مذہبوں کے لوگوں کو دعوت دی گئی ہے۔ سب دھرموں کا نچوڑ ایک ہی ہے۔ یعنی خدا کی پرستش اور اس کے بندوں کی خدمت جو اختلافات نظر آتے ہیں۔ وہ بہت ہی چھوٹے ہیں۔ اس وقت دنیا میں اس چیز کی بڑی ضرورت ہے۔ کہ سب نیک آدمی ملکر ایک نرول دھرم کی لہر چلائیں۔ اور مادہ پرستی میں ڈوبی ہوئی دنیا کو خدائی راستہ دکھائیں۔ دنیا میں شانتی تب ہی ہوسکیگی۔ جب عام لوگوں کو گیان ہو جائیگا۔ کہ ہماری زندگی کی کامیابی اور سب دنیا کی بھلائی خدا پرستی میں ہے۔ میں اس تحریک کو جو احمدیہ جماعت نے چلائی ہے۔ خوش آمدید کہتا ہوں۔

مجھے اس جماعت کے چند بزرگوں سے قادیان میں ملنے کا موقعہ ملا۔ ان کی خوش اسلوبی اور ان کے مذہبی جذبات کی میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ اور مجھے ان صاحبان سے بلکہ از حد مسرت ہوئی۔ میری یہ دعا ہے۔ کہ آپ اس خدائی راستہ پہ چلیں۔ اور دوسروں کو چلنے کی دعوت دیتے رہیں۔"

ایک علاقہ کی بیماری دوسرے علاقہ میں پھیل جاتی ہے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ اگر ایسی بیماری کے علاقہ میں کوئی شخص صبر سے بیٹھا رہے۔ اور دوسرے علاقوں میں وبا پھیلانے کا موجب نہ بنے۔ تو اگر اُسے موت آئے گی تو وہ شہید ہوگا۔ (بخاری کتاب الطب)

صبر

آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ کہ مومن کے لئے تو دنیا میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اور سوائے مومن کے یہ مقام اور کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اُسے کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعام کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو وہ صبر کرتا ہے اور اس طرح بھی خدا تعالیٰ کے انعام کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

جب آپؐ کی وفات کا وقت آیا۔ اور آپؐ بیماری کی تکلیف کی وجہ سے کراہ رہے تھے۔ تو آپکی بیٹی فاطمہؓ

مذہبی رواداری

آپؐ مذہبی رواداری پر نہایت زور دیتے تھے۔ اور خود بھی اعلیٰ درجہ کا نمونہ اس بارہ میں دکھاتے تھے یمن کا ایک عیسائی قبیلہ آپؐ سے مذہبی تبادلہ خیال کرنے کے لئے آیا۔ جس میں ان کے بڑے بڑے پادری بھی تھے۔ مسجد میں بیٹھ کر گفتگو شروع ہوئی اور گفتگو لمبی ہوگئی۔ اس پر اس قافلہ کے پادری نے کہا۔ اب ہماری نماز کا وقت ہے۔ ہم باہر جاکر اپنی نماز ادا کر آئیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری مسجد میں ہی اپنی نماز ادا

صدقۃ الفطر اور عید فنڈ

کے متعلق

ضروری اعلان

صدقہ عید الفطر

صدقۃ الفطر کی ادائیگی ہر مسلمان مرد و زن بچے اور بوڑھے پر فرض قرار دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ نوزائیدہ بچہ کی طرف سے بھی اس صدقہ کا ادا کیا جانا لازمی ہے۔ چونکہ یہ فنڈ غرباء اور مساکین کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اسے رمضان المبارک کے ختم ہونے سے قبل جمع کرکے غرباء میں تقسیم کیا جائے تا ضرور تمند احباب عید کے موقعہ پر اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مقامی غرباء اور مساکین کی امداد صدقۃ الفطر کی وصول شدہ رقم میں سے $\frac{1}{2}$ حصہ تک کی جاسکتی ہے۔ بقیہ حصہ رقم کا مرکز میں بھجوایا جانا ضروری ہے۔ فطرانہ کی مقدار ہر فرد کے لئے ایک صاع یعنی پونے تین سیر غلہ مقرر ہے۔ غیر مستطیع احباب کو نصف شرح سے بھی ادائیگی کی اجازت ہے۔ قادیان میں امسال گندم کے نرخ کے لحاظ سے شرح صدقۃ الفطر ایک روپیہ اور نصف شرح آٹھ آنہ مقرر کی گئی ہے۔ مقامی جماعتیں اپنے اپنے علاقہ میں نرخ کی کمی بیشی کے مدنظر اس شرح میں کمی بیشی کر سکتی ہیں۔

عید فنڈ

صدقۃ الفطر کے ساتھ ایک خاص مد عید فنڈ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے قائم ہے۔ عیدین کے موقعہ پر ہر کمانے والے مرد سے کم از کم ایک روپیہ کی رقم اس فنڈ میں وصول کی جاتی ہے۔

امید ہے کہ اس مد کی طرف بھی خصوصیت سے توجہ کی جائیگی اور احباب عید کے موقعہ پر خزانہ بیت المال کے لئے حسب توفیق زیادہ سے زیادہ حصہ لیکر عند اللہ ماجور ہوں گے۔ اس مد کی تمام رقم مرکز میں بھجوائی جانی ضروری ہے۔ کوشش کریں کہ مرکز میں بھجوائی جانے والی رقوم عید سے قبل قادیان بھجوادی جائیں۔ (ناظر بیت المال قادیان)

ضروری اعلان

اس پرچہ میں بعض ضروری اصحاب کے فوٹو شائع کرنے کی تجویز تھی۔ لیکن چونکہ بروقت جملہ ضروری فوٹو دستیاب نہیں ہو سکے۔ اور نہ بلاک درست طور پر تیار ہوئے ہیں۔ اس لئے افسوس ہے۔ کہ فوٹو شائع نہیں ہو سکے۔ (منیجر)

م کریں۔ آخر ہماری مسجد خدا کے ذکر کیلئے ہی بنائی گئی ہے (زرقانی)

شری رام چندر جی کے حالاتِ زندگی

از مکرم مولوی خورشید احمد صاحب متعلم جامعۃ المبشرین قادیان

خدا تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں کی فطرت میں بعض خواص نمایاں رنگ میں پیدا کیئے ہیں حیوانات اپنے فطرتی خواص کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ پانی کے جانوروں میں تیرنے کا خاصہ نمایاں طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ پرندوں میں مادۂ پرواز فطرتاً موجود ہے۔ اسی طرح انسانوں میں دوسروں کے نمونہ کو اپنانے اور عقل و فہم سے کام لینے کا مادہ پیدا کیا گیا ہے۔ انسان جو دیکھتا یا سیکھتا ہے۔ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جہاں خدا تعالیٰ نے انسان کی جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے آگ، ہوا، پانی۔ سورج۔ ستارے۔ فضا زمین وغیرہ کا مکمل نظام پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح انسان کی روحانی زندگی کے احیاء و بقا کے لئے پیغمبروں اور اوتاروں کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ انسان اوتاروں یا نبیوں کی پیروی کر کے دونوں جہانوں کی فلاح و کامیابی حاصل کرتے ہیں انسانی فطرت کے مناسب حال نبی یا اوتار انسانوں میں سے ہی ہوتے رہے ہیں تاکہ اپنے ہم جنس کی نقل کرنے میں انسانوں کو سہولت رہے۔ اور اس طرح وہ رضائے الٰہی کو آسانی سے پاسکیں۔

زمین کی تپش اور شدت کی گرمی بارش کی محتاج ہوتی ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا روشنی کو چاہتا ہے۔ ادھرمی۔ بے دینی۔ پاپ اور ظلم و ستم اوتار یا نبی کے نزول کا باعث بنتے ہیں۔ جب دنیا کے عالم و جاہل، واقف و ناواقف میں گمراہی و بے دینی پھیل جاتی ہے۔ مخلوق اپنے خالق حقیقی سے دور ہو جاتی ہے۔ اور اہلِ دنیا۔ دنیا کے مال و متاع۔ آرام و آسائش پر فریفتہ ہو جاتے ہیں تب

यदा यदा हि धर्मस्य ग्लानिर्भवति भारत ।
अभ्युत्थानमधर्मस्य तदात्मानं सृजाम्यहम् ॥
परित्राणाय साधूनां विनाशाय च दुष्कृताम् ।
धर्मसंस्थापनार्थाय सम्भवामि युगे युगे ॥

چوں بنیاد دیں سست گردد ہمے
نمائیم خود را بشکلِ کسے "

یعنی جب جب بھی دھرم کی ہانی اور پاپ کی زیادتی ہوتی ہے۔ تب تب پرماتما کی طرف سے دھرم کی حفاظت اور ادھرمی اور پاپ کے ناش کرنے کے لیے اوتار جنم دھارن کرتا ہے۔

اس خدائی اصول کے تحت جب کبھی بھی جہالت اور ادھرمی اپنے انتہا کو پہنچی۔ رحیم و کریم خدا کی طرف سے کوئی نہ کوئی پیغمبر اس دنیا کو راہِ راست پر لانے کے لئے آتا رہا ہے۔ چنانچہ آج تک اس دنیا میں مختلف زمانوں مختلف قوموں اور ملکوں میں ہزاروں اوتار ظاہر ہو چکے ہیں۔

آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پیشتر بھارت ورش کی مذہبی اور سیاسی حالت بہت ابتر تھی۔ جس طرح " شدت گرمی ہے محتاجِ بارانِ بہار" بعینہٖ بھارت کو ایک سچے نیتا اور پیغمبر کی ضرورت تھی۔ خصوصاً جنوبی ہند میں پاپ ادھرمی کا دور دورہ تھا۔ راکھشس اور پاپی راجاؤں کا سکہ جما ہوا تھا۔ خدا پرستوں اور ایشور بھگتوں کو امان نہ تھی۔ اس گمراہی اور بدامنی کے زمانہ میں پرماتما کے پیارے اوتار شری رام چندر جی کا جنم ہوا تا پھر اس سرے نو ادھرم کی جگہ دھرم۔ اور بدامنی کی جگہ شانتی قائم ہو جائے۔ پھر سے خدا تعالیٰ کا جلال چمکے اور مخلوق اپنے خالق کو پہچانے۔

شری رام چندر جی کا خاندان

تقریباً ساڑھے تین ہزار برس گذرے ہیں کہ اجودھیا میں راجہ دسرتھ راج کرتے تھے۔ ان کی تین رانیاں تھیں لیکن اولاد نہ تھی۔ آخر پارسا لوگوں کے مشورہ سے راجہ نے ایک بڑا یگیہ کیا جس میں دان پن صدقہ و خیرات کیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے راجہ کو تینوں رانیوں سے لڑکے عطا فرمائے۔ رانی کوشلیا کے بطن سے شری رام چندر جی ماہ چیت اور شکل پاکش کی نویں تاریخ کو پیدا ہوئے۔

تعلیم و شادی

سات برس کی عمر میں آپ کو مقامی گورو کل (مذہبی مدرسہ) میں تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔ آپ نے سات آٹھ برس کی عمر میں ہی چاروں وید اور چھ شاستر پڑھ لئے۔ مذہبی تعلیم سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ کہ ایک دن وشوامتر رشی راجہ دسرتھ کے دربار میں آئے۔ اور راکھشس لوگوں کے ظلم و ستم کا جو وہ عابد اور زاہد لوگوں پر روا رکھتے تھے ذکر کر کے شری رام اور لچھمن کو جنگل لے جانے پر اصرار کیا۔ ایک طرف اولاد کی محبت اور دوسری طرف گرو کی خواہش کا احترام۔ راجہ عجیب کش مکش میں پڑ گئے کیونکہ جانا گوارا نہ کرتے تھے۔ آخر راجہ نے دل پر پتھر رکھ کر بچوں کو وشوامتر کے ساتھ جنگل بھیج دیا۔ بن میں جا کر شری رام جی نے سپاہیانہ علوم و فنون سیکھے۔ اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

چونکہ خدا تعالیٰ نے آپ سے بہت بڑا کام لینا تھا۔ اس لئے آپ کی ظاہری و باطنی۔ جسمانی و روحانی تعلیم کو محض اپنے فضل و کرم سے مکمل کیا۔ راکھشسوں اور لٹیروں سے لوگ امن میں آئے۔ سباحو اور ماریچ راکھشس وغیرہ آپ کے ہاتھوں مارے گئے۔ ابھی آپ جنگل میں ہی تھے۔ کہ راجہ جنک والئے متھرا نے اپنی لڑکی سیتا کا سوئمبر رچایا۔ آپ دونو بھائی متھرا گئے۔ راجہ جنک کی کمان جو سوئمبر جیتنے کی شرط تھی۔ شری رام نے ٹکڑے ٹکڑے کر دی۔ سیتا سے آپ کی شادی ہو گئی۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ برس کی تھی۔ شادی کے بارہ برس بعد تک آپ بڑے چین و سکھ سے اجودھیا میں رہے۔ اس عرصہ میں آپ اپنی خداداد ذہانت اور نیکی و تقویٰ کے باعث ہر دلعزیز اور محبوب ترین وجود ہو چکے تھے۔ راجہ دسرتھ نے اپنے بڑھاپے کو مدنظر رکھ کر آپ کو "ولی عہد" بنانے کا اعلان کر دیا۔ امراء وزراء اور رعایا غرضیکہ لوگوں کا ہر طبقہ آپ کے ولیعہد بننے کی خوشی میں پھولے نہ سماتا تھا۔ آپ کے راج تلک (ولیعہد) ہونے کے اعلان سے شام تک اجودھیا نگری بڑی خوشنما اور بارونق ہو گئی۔ راجہ اور پرجا خوش و خرم اور دلشاد تھے۔ مگر تقدیر کچھ اور ہی چاہتی تھی۔

بن باس

راجہ دسرتھ کی تیسری رانی کیکئی نے راجہ کو ان کے وعدے یاد دلائے۔ جن کی رو سے شری رام کو چودہ برس بن باس اور بھرت جی کو راج دیئے جانے کی خواہش کی۔ ہر چند راجہ نے رانی کو سمجھایا پر عورت ذات کی تریا ہٹ مشہور ہے۔ رانی نے کوئی بات نہ مانی۔ صابر و شاکر فرمانبردار بیٹے رام نے اپنے باپ کے قول کو پورا کرنے کے لئے جنگل جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اجودھیا نگری جو گذشتہ شب خوشی کا گہوارہ تھی۔ آج صبح ماتم کدہ بنی ہوئی تھی۔ ہر دل پر غم اور ہر آنکھ پرنم تھی۔ راج تلک کا خواب سراب بن کر رہ گیا زمین و آسمان کے مالک خدائے ذوالجلال کے تصرفات کو عوام نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ ؎

قادر ہے وہ بارگاہ ٹوٹا کام بنا دے
بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پائے

خدا تعالیٰ نے شری رام جی کو حکومت اور عیش و عشرت کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق "تاریکی کو دور کر کے روشنی اور نور پھیلانے کے لئے بھیجا تھا" . . . . اور اس لئے بھیجا تھا کہ جو ناحق کوشی اور حق پوشی کے درپے تھے۔ اُن کو راہِ راست پر لائیں اور جو قوت بازو سے ادھرم کو دھرم پر غالب کرنے کی کوشش کر رہے تھے ان کو الٰہی قوت سے مغلوب کیا جائے۔ یہیں سے آپ کے خدائی مشن کا آغاز ہوتا ہے۔

امتحان پر امتحان

اس موقعہ پر آپ کو بھی پیغمبروں کی طرح آزمائش سے گذرنا پڑا۔ ان امتحانوں میں آپ اولوالعزم رسولوں کی طرح کامیاب ہوئے۔ آپ کی حقیقی والدہ کوشلیا نے مامتا کا واسطہ دے کر۔ ماں کا حق باپ سے زیادہ جتلا کر۔ اپنے بڑھاپے اور جدائی کا صدمہ بتا کر جنگل جانے کے ارادہ کو ترک کر دینے کے لئے مجبور کیا۔ سیتا جی نے خود جنگل میں رفاقت کا ارادہ ظاہر کر کے نہایت لطیف پیرایہ میں "صنفِ نازک اور ذمہ داری" کے جذبات ابھار کر آپ کے ارادہ کو متزلزل کرنا چاہا۔ جان نثار بھائی لچھمن نے سارے مصائب قوتِ بازو سے دور کرنے۔ آپ کی خدمت کرنے اور بصورت دیگر خود ساتھ جنگل جانے کی ضد کر کے روکنا چاہا۔ امراء و وزراء اور دیگر ارکان حکومت نے حکومت اور رعیت پروری کے فرائض کی طرف توجہ دلا کر۔ بوڑھے باپ کا واسطہ دے کر جنگل جانے سے روکا۔ مگر آپ نے یہی فرمایا

"وعدہ ایفائی پرم دھرم ہے"

محبت کا پیغام

از سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ امام جماعت احمدیہ

بتاؤں تمہیں کیسا کہ کیا چاہتا ہوں
ہوں بندہ مگر میں خدا چاہتا ہوں

میں اپنے سیہ خانۂ دل کی خاطر
وفاؤں کے خالق۔ وفا چاہتا ہوں

جو پھر سے ہرا کر دے ہر خشک پودا
چمن کے لئے وہ صبا چاہتا ہوں

مجھے بیر ہرگز نہیں ہے کسی سے
میں دنیا میں سب کا بھلا چاہتا ہوں

دی خاک جس سے بنا میرا پتلا
میں اُس خاک کو دیکھنا چاہتا ہوں

نکالا مجھے جس نے میرے چمن سے
میں اُس کا بھی دل سے بھلا چاہتا ہوں

میرے بال و پر میں وہ قوت ہے پیدا
کہ لے کر قفس کو اُڑا چاہتا ہوں

کبھی جس کو زشیوں نے منہ سے لگایا
وہی جام اب میں پیا چاہتا ہوں

رقیبوں کو آرام و راحت کی خواہش
مگر میں تو کرب و بلا چاہتا ہوں

دکھا دے جو ہر دم ترا حسن مجھ کو
میری جاں میں وہ آئینہ چاہتا ہوں

اگر شری رام چندر جی اپنے والد کے قول کو پورا نہ بھی کرتے تو بھی ان پر کوئی دھبہ نہ تھا کیونکہ یہ قول ان کا اپنا نہیں تھا۔ لیکن اخلاقی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو عورت ذات کا ہاتھ قیامت تک مردوں کے خلاف طعنہ کے رنگ میں اُٹھ سکتا تھا کیونکہ راجہ دسرتھ نے یہ قول رانی کیکیئی کے حسن و جمال یا عشرت میں پڑ کر انہیں نہ دیا تھا۔ بلکہ میدانِ کارزار میں جبکہ دیش سیوک راجہ دیش کی آزادی کے لئے لڑ رہا تھا۔ عین حالتِ جنگ میں رانی نے راجہ کی رتھ کے ٹوٹے ہوئے دھرے کی جگہ اپنا بازو دے کر ملک و قوم کی آزادی کو بحال رکھا تھا۔ ایسے نازک وقت میں جو احسان رانی نے ملک پر کیا اس کے صلہ میں ملک کے نمائندہ یعنی راجہ نے رانی کو قول دیا۔ جو ایک لحاظ سے ساری قوم کا تھا ایفائے عہد کی صورت میں عورت ذات کے حریتِ ملک اور دیش سیوا کے جذبات کو شدید ٹھیس لگتی۔ آپ نے وہ قول پورا کر کے بجا طور پر مردوں کا سر بلند کر دیا۔ کہ مردوں نے عورتوں کے وقت طلب اور آن ہوتے مطالبہ کو بھی پورا کر کے ثابت کر دیا ہے۔ کہ مردوں کی طرف سے کبھی بھی عورتوں کے ساتھ بے وفائی نہیں کی جائے گی۔

چترکوٹ آپ چترکوٹ تھے۔ کہ آپ کی آزمائش زبردست طور پر ایک دفعہ پھر ہوئی شری بھرت جی بمعہ ارکان حکومت رانیوں اور پرجا کے لوگوں کے آپ کو واپس لانے کے لئے چترکوٹ پہنچے۔ باپ کے فوت ہو جانے کا ایک اور صدمہ آپ کو سہنا پڑا۔ سب نے آپ کے واپس چلنے پر اصرار کیا۔ مگر آپ فرماتے کہ اعتماد۔ شانتی اور کلیان کی جڑ وعدہ ایفائی ہے۔ تاہم لوگوں کے اصرار پر آپ نے بھرت کو اپنی طرف سے راج کرنے کا حکم دیا۔ اور چند نصائح فرمائیں۔ اگر آج دنیا کے بادشاہ اور اربابِ حکومت ان پر عمل پیرا ہوں تو دنیا کے بہت سے سیاسی و اقتصادی جھگڑے مٹ جائیں۔ دنیا امن و شانتی کا گہوارہ بن جائے۔

سیاسی و اخلاقی تعلیم آج دنیا میں جس قدر بھی خونریز جنگیں اور بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب وعدہ ایفائی سے گریز اور عہدناموں کی عدم تعمیل ہے جس کی تہ میں اکثر دنیاوی لالچ و طمع چھپا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن شری رام چندر جی کی زندگی کا "نچوڑ" ہی وعدہ ایفائی ہے۔ آپ نے بھرت جی کو فرمایا:-

(۱) رعایا کو فرزند کی طرح پرورش کرو۔

(۲) غیر عورت کی مادرِ مہربان کی طرح عزت و تکریم کرو۔

(۳) ہمیشہ آدابِ مجلس ملحوظ رکھو۔

(۴) بدکردار دشمن کا قلع قمع کرنے میں کبھی پس و پیش مت کرو۔ ملک و قوم کی فلاح و بہبودی کے یہ زریں اصول رام راج میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اگر آپ کے ان سیاسی مجلسی۔ معاشرتی اور اخلاقی نظریات کو حکمران اور پبلک اپنا لیں تو دنیا میں امن ہی امن قائم ہو جائے۔

آپ کی قوت قدسی نے اس زمانہ کے لوگوں میں نیکی اور پاکیزگی پیدا کر دی تھی۔ جہاں آپ نے ایک صداقت کے لئے اپنا حق عملاً ترک کر دیا۔ راج پاٹ کو لات مار دی۔ عیش و عشرت اور سکھ چین کو چھوڑ دیا۔ بلاشبہ آپ کی یہ قربانی بے نظیر ہے لیکن آپ کی قوت قدسی کا یہ اثر پڑتا ہے کہ بھرت جی کا دل جن کو حکومت مل جاتی ہے اس ایثار و قربانی سے از حد متاثر ہو جاتا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی کے حق کو کبھی بھی اپنا حق نہیں سمجھا بلکہ

"حق پرایا نانکا تے جیوں گؤ دی رت"

(دوسرے کے حقوق کو دبا لینا گائے کا خون پینے کے برابر ہے) پرائے حق کو عملی طور پر ترک کئے رکھا۔ چودہ برس تک بھائی کے تصور سے تخت سے نیچے بیٹھ کر امورِ سلطنت انجام دیتے رہے۔ کیا آج بھی رام و لچھمن جیسے بھائی ملتے ہیں؟ دوسروں کے حقوق کے غاصب۔ ناجائز منافع اندوز۔ بلیک مارکیٹ کو گائے کا پاکیزہ دودھ سمجھ کر غٹ غٹ پی جانے والے ساہوکاروں کا تو ذکر ہی کیا۔ ذرا سرسری نگاہ سے حکومتوں کو ہی دیکھئے کہ وہ کس طرح کمزوروں کو ملیا میٹ کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔

پنج وٹی، جہاد بالسیف چترکوٹ سے آپ اجودھیا نواسیوں کے ستانے کے ڈر سے پنج وٹی چلے گئے۔ پنج وٹی جنوبی ہند میں تھا۔ اور جنوبی ہندان دنوں لنکا کے راجہ راون کے ماتحت تھا۔ راون کی طرف سے اس کے دو بھائی کھر اور دوشن جنوبی ہند میں راج کرتے تھے۔ اس جگہ سے آپ کے مشن کا وہ حصہ نمایاں ہوتا ہے۔ جسے جہاد بالسیف کے نام سے پکارا جا سکتا ہے کیونکہ جب دلائل بیّنہ سے دشمن صداقت قبول نہ کرے۔ بلکہ صداقت کو تلوار سے خاک میں ملانا چاہے تو وقت کی نزاکت کے مدنظر مجبوراً نبی کو بھی دفاع کے لئے تلوار اُٹھانی پڑتی ہے۔ پنج وٹی جانے سے پیشتر آپ نے دلائل براہین کی رو سے فتح حاصل کی۔ پرسرام کو متھرا میں اپنی شادی کے موقعہ پر دلائل سے قائل کیا۔ بھرت اور رعایا۔ اور امراء و وزراء کو دلائل سے تسلی دی۔ مگر یہاں جب سروپ نکھا نے آپ سے یا لچھمن جی سے شادی کرنے پر ضد کی۔ دلائل کو نہ مانا۔ بلکہ دھمکی دی۔ تو آپ پھر بھی خاموش رہے۔ مگر لچھمن جی نے غصہ میں آکر اس کی ناک کاٹ دی۔ سروپ نکھا کے بھائی کھر اور دوشن اس وجہ سے طیش میں آگئے۔ اور چودہ ہزار سپاہ کے ساتھ ان دو پردیسیوں پر حملہ کر دیا۔ اپنے دفاع کے لئے مجبوراً شری رام کو تلوار چلانی پڑی۔ خدا تعالےٰ نے آپ کو فتح دی۔ دشمن اور دشمن کا لشکر مارا گیا۔ آپ فتحیاب ہوئے۔ اس جنگ کے نتیجہ میں ان راجاؤں کے ظلم و ستم کا خاتمہ ہوا۔ وہاں کی رعایا بہت خوش ہوئی۔ گویا آپ ان کے نجات دہندہ ثابت ہوئے۔

کھر اور دوشن کی جنگ جہاد بالسیف کا آغاز ہی تھا۔ کیونکہ اس کے بعد آپ کو راون کے ساتھ یدھ کرنا پڑا۔ سروپ نکھا نے لنکا پہنچ کر راون کو کھر اور دوشن کی تباہی کا سارا قصہ سنایا۔ اور سیتا جی کے حسن کا خاص طور پر ذکر کیا۔ راون نے انسانیت اور اخلاق سوز تدبیر انتقام سوچی۔ راہو کو ساتھ لے کر جنوبی ہند آیا اور رام لچھمن کی عدم موجودگی میں سیتا جی کو زبردستی اُٹھا کر لے گیا۔ رام لچھمن واپس کٹیا میں آئے۔ سیتا جی کی تلاش میں نکلے۔ جٹایو نام کے آدمی سے پتہ چلا کہ ظالم راون اُن کو زبردستی اُٹھا کر لے گیا ہے؟ صنفِ نازک کی عفت و عصمت ہی کا تصور ان دونوں بھائیوں کو مضطرب کر رہا تھا۔

چھوت چھات کے خلاف عملی تعلیم راستہ میں ایک رات شبری نام بھیلنی کے گھر کاٹی وہیں کھانا کھایا۔ شبری نے بڑی محبت سے آپ کی سیوا کی۔ بھیلنی نے چکھ چکھ کر میٹھے بیر شری رام چندر کے واسطے رکھے تھے شری رام نے اس کے جھوٹے بیر بڑے شوق سے کھائے۔ لیکن آج بعض کے ہاں پنچ یا نیچ قوم اچھوت یا بھیں گنی جاتی ہے۔ اور پھر انسانوں میں سب سے کم درجہ عورت کو دیا جاتا ہے۔ اس لئے شبری بھیلنی کا کیا درجہ ہوگا؟ مگر شری رام چندر جی نے اسی بھیلنی کے منہ کے جھوٹے بیر کھائے ... ہندو دھرم کی بنیادی اینٹ شری رام جی ہیں چھوت چھات کے خلاف قیامت تک آپ کا عملی نمونہ سورج کی طرح چمکتا رہے گا۔ بھارت نواسیوں کے لئے آپ کی یہ عملی تعلیم بصیرت افروز ہے۔ جو شخص آپ کی تعلیم کے خلاف عمل کرتا ہے۔ وہ آپ سے محبت کرنے والا نہیں کہلا سکتا۔

کسکندا سگریو والئے کسکندھا کو اس کے چھوٹے بھائی بالی نے اس کا راج اور بال بچے چھین کر نکال دیا تھا۔ مظلوم سگریو کی درخواست پر آپ نے اس کی مدد کی۔ بالی کو ایک درخت کی آڑ کے پیچھے چھپ کر تیر سے ہلاک کر دیا۔ لچھمن کے ذریعہ سگریو کو تخت پر بٹھایا۔ اور خود بوجہ عہد بن باس شہر میں نہیں گئے۔ بعض دوان اس موقعہ پر شری رام پر دھبہ کے خوف سے گھبراتے ہیں۔ لیکن ایسے واقعات اوتاروں اور پیغمبروں سے زمانہ کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق جائز طور پر ظہور میں آتے ہیں حضرت موسیٰ سے ایک قبطی کا مکا کے ذریعہ مرنا۔ کعب بن اشرف کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مارا جانا۔ شری کرشن جی کے ہاتھوں کنس کا قتل ہونا ایسے ہی واقعات ہیں۔ جس طرح آپ کا یہ واقعہ جب کسکندا کی سیاسی مجلسی حالت درست ہو گئی۔ ملک میں امن چین قائم ہو گیا۔ تو آپ نے سگریو کو لنکا پر حملہ کی تیاری کا حکم دیا۔ سگریو کی فوجوں کے کمانڈر انچیف ہنومان کو لنکا کے حالات معلوم کرنے بھیجا۔ ہنومان نے لنکا کے تمام حالات کا جائزہ لے کر واپس لوٹ کر آپ کو بتایا کہ سیتا جی فلاں باغ میں قید ہیں۔ غم سے پژمردہ ہیں۔ اسی طرح راون کی فوجی طاقت کا حال بھی بتایا۔ چونکہ راون کو ہنومان کے لنکا آنے کا علم ہو چکا تھا اس لئے وہ بھی تیاری کرنے لگا۔ راون کے چھوٹے بھائی ببھیکشن نے اسے سیتا جی کے واپس دے دینے پر زور دیا۔ لیکن مغرور راون نے اپنے نیک دل بھائی کے نیک مشورہ کو نہ مانا۔ اور اسے لنکا سے نکال دیا۔ ناچار ببھیکشن شری رام جی کے پاس آ گئے۔

صلح کا شہزادہ رام بین الاقوامی قوانین کے ماتحت صلح و امن کے شہزادہ حضرت رام چندر نے انگد۔ و نیعبد کسکندا کو گفتگوئے مصالحت کے لئے سفیر بنا کر راون کے دربار بھیجا۔ ہر چند صلح کی کوشش کی گئی لیکن راون نے صلح کی کوئی بات منظور نہ کی۔ آخر کار ناامید ہو کر اعلانِ جنگ کیا گیا۔

لنکا پر حملہ اور آپ کی فوجیں سرزمین لنکا میں داخل ہوئیں۔ ایک عرصہ تک بڑے گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ اس جنگ میں ببھیکشن نے بہت زیادہ مدد کی۔ وہ لنکا کی چپہ چپہ زمین سے واقف تھے۔ شری رام جی کو مایوسی میں بھی ببھیکشن کی وجہ سے زبردست امید پیدا ہو جاتی تھی۔ "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کا محاورہ اسی وجہ سے مشہور ہے۔ راون کا بہادر بیٹا میگھناد اور بھائی کنبھ کرن میدانِ جنگ میں مارے گئے۔ آخر دسہرے کے روز نبی کا مقابلہ کرنے والی فرعونی طاقت راون۔ اللہ تعالےٰ کے نبی شری رام جی کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئی۔ فتح و نصرت و کامرانی آپ کو ملی۔ کیونکہ خدائے ذوالجلال کی قدیم سے یہ سنت ہے۔ کہ

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ

کہ غلبہ ہمیشہ خدا اور اس کے اوتاروں کو ہی ملتا ہے ابھی بن باس کے چند دن باقی تھے۔ اس لئے آپ شہر نہیں گئے۔ اپنے بھائی لچھمن کے ذریعہ نیک دل ببھیکشن کو لنکا کے تخت پر بٹھایا سگریو کی فوجوں کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

جب معصوم صابرہ و شاکرہ۔ نیک دل سیتا آپ کے پاس لائی گئیں۔ تو آپ نے فرمایا یہ مت خیال کریں میں نے یہ کشت و خون صرف ایک

(باقی صفحہ ۱۱ کالم نمبر ۴ پر ملاحظہ ہو)

حضرت شری کرشن علیہ السلام

از مکرم سید شہامت علی صاحب واقف زندگی متعلم جامعۃ المبشرین قادیان

بھارت ورش اپنی پراچین تاریخ اور پرانی تہذیب پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ اس زمانہ میں بھی روشنی کا مینار تھا جبکہ دنیا کے اکثر حصوں میں تاریکی و ظلمت اپنا ڈیرہ لگائے ہوئے تھی اور اس زمانہ میں بھی تہذیب کا مرکز تھا۔ جبکہ دوسرے کئی ممالک غیر مہذب تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بھارت ورش وہ پوتر دیش ہے جس پر ایشور کی نظر عنایت ابتدائے آفرینش سے ہی پڑتی چلی آئی ہے۔ اور وہ خدا تو اس ملک میں ہماری روحانی ترقیات کے لئے رشی منی اور اوتار بھیجتا رہا ہے۔ جن میں حضرت شری کرشن علیہ السلام بھی ایک بلند مرتبہ اور ذی شان اوتار ہیں۔

آج سے تقریباً تین ہزار سال قبل متھرا میں بھادوں کی آٹھویں شب کو باسدیو کے گھر آپ کا جنم ہوا۔ چونکہ شری کرشن کے ماموں کنس کو جو اس وقت کا حکمران تھا نجومیوں نے بتلایا تھا کہ تمہاری بہن دیوکی کے گربھ سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تجھے تباہ کر کے گدی کا مالک بن جائے گا۔ اور یہی دیوکی کے رخصتانے کے وقت اُسے آکاش بانی بھی ہوئی تھی۔ اس لئے پاپی کنس کو اس خوف سے کہ کہیں بہن کے اولاد کے علاوہ کوئی اور راجہ کا بھی نہ ہو متھرا میں بے شمار معصوم بچوں کو قتل کرواتا رہا اور دیوکی کی اولاد کو خاص طور سے تہ تیغ کراتا رہا۔ مگر جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے۔ جب شری کرشن جی پیدا ہوئے تو خدا تعالیٰ نے ایسا سامان کیا کہ واسدیو جی راتوں رات آپ کو گوکل پہنچا دیا اور اس طرح آپ ایک محفوظ جگہ میں پرورش پانے لگے اور ایک وقت آیا جب آپ نے اس پاپی کنس کو مار کر ملک میں سچی شانتی اور امن پیدا کیا۔

ہندوؤں میں جتنے بھی اوتار یا رشی منی آئے ہیں۔ اگرچہ وہ سب خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقرب بندے تھے۔ مگر حضرت کرشن علیہ السلام ان سب میں بہت بلند شان والے تھے۔ ہندو دوست اوتار کی سولہ کلائیں (درجات) مانتے ہیں جن میں سے کسی میں بارہ مانتے ہیں کسی میں تیرہ اور کسی میں چودہ کلائیں۔ مگر شری کرشن ہی ایک ایسے ہیں جن میں سب کلائیں پائی جاتی تھیں۔ اسی لئے ہندو آج بھی کہا کرتے ہیں کہ ہندو لوگ سری کرشن کو شوڈش کلا سمپورن (یعنی سولہ درجات طے کرنے والے) تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔

ہندوؤں کے اصول کے مطابق جب آپ شوڈش کلا سمپورن ہیں تو آپ کی تعلیم بھی اسی طرح کی ہونی چاہیئے مگر آج کی دنیا نے کرشن کے روپ کو بالکل ہی بدل ڈالا ہے۔ اگر ہم ان کی باتوں کی طرف دیکھیں یا اُن کے اُن کاموں پر نظر ڈالیں جو سری کرشن کے متعلق بعض لوگوں کی طرف سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ تو اس حالت میں نعوذ باللہ وہ کسی صورت میں نبی چھوڑ ایک با اخلاق انسان بھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ کیا ایک نبی یا اوتار بچپن میں کبھی چوری کر سکتا ہے؟ کیا وہ کسی جیب سے نکال کر کھا سکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ کبھی نہیں۔ ایسی مہمل ظاہری طور پر باتیں شری کرشن جی کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں۔ جو کرشن جیسے عظیم الشان اوتار کی شان کے شایان نہیں۔ ہم کرشن جی کی طرف ایسی باتیں منسوب نہیں کر سکتے۔ جو اُن کی شان کو گرانے والی ہوں۔ وہ تو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ نبی تھا۔ جس سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہوتا تھا۔ اور اُسی نے دنیا کی اصلاح کے لئے اُسے کھڑا کیا تھا۔ خدا نے اپنی تجلی سے اُسے منور کیا۔ اور اپنی ہستی کو دنیا کے سامنے اُس کے ذریعے ظاہر کیا۔ تاکہ وہ جو دنیا کے کیڑے ہیں اور وہ جو گمراہی اور ضلالت کے گڑھوں میں دبے پڑے ہیں۔ سچے دین اور راہِ راست پر آ کر معرفت الٰہی اور گیان حاصل کریں۔ سو سری کرشن جی کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا وجود دنیا میں ظاہر ہوا۔ اس نے اپنا چہرہ دنیا کو دکھایا اور اس کے ذریعہ ہزاروں لاکھوں کو ہدایت حاصل ہوئی۔ اور اس طرح وہ باخدا انسان بن گئے۔

موجودہ زمانہ کے بعض لوگ اسبات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ باخدا انسان بننے اور معرفت الٰہی اور گیان حاصل کرنے کے لئے بہترین ذریعہ سخت فاقہ کشی اور ریاضات نیز سنیاس اختیار کر کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بود و باش ہے۔ مگر حضرت سری کرشن نے اپنی تعلیم میں فرمایا کہ

संन्यासः कर्मयोगश्च निःश्रेयसकरावुभौ ।
तयोस्तु कर्मसंन्यासात्कर्मयोगो विशिष्यते ॥

یعنی کرموں کا سنیاس اور نشکام کرم یوگ یہ دونوں ہی خدا کے قرب کو حاصل کرنے کے بہترین ذریعہ ہیں۔ مگر ان دونوں میں کرموں کے سنیاس سے نشکام کرم یوگ بہتر ہے یعنی اگر انسان بغیر لالچ کے کوئی کام یا خدمت خلق کرے تو وہ سنیاس سے بہرحال بہتر ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ خدا کا قرب دنیا کے دھندوں میں پڑتے ہوئے بھی حاصل ہو سکتا ہے جبکہ انسان دست بکار دل بایار کا مصداق ہو اور یہ تعلیم فطرتاً بھی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر سارے پڑھے لکھے اور نیک لوگ فاقہ کشی اور ریاضات کرنے لگ جائیں اور سنیاس دھارن کر کے جنگلوں میں چلے جائیں تو اُن کی شخصیت کو بے شک روحانی ترقی حاصل ہو سکتی ہے مگر دوسرے لوگ تو ان کے نیک نمونہ اور فیض صحبت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس طرح شہروں اور دیہاتوں میں ان پڑھ اور گناہوں میں ملوث اور دین سے بے بہرہ لوگوں کی سوسائٹی رہ جائے گی۔ یہی نہیں بلکہ آئندہ نسل بھی برے لوگوں اور جاہلوں کی پیدا ہوگی۔ اور اگر آئیں تو بری تربیت اور اخلاق حاصل کرے گی اور نیک اور حقیقی عالم لوگ جنگلوں اور بیابانوں میں بے اولاد ختم ہو جائیں گے۔ اور اس طرح ملک یا قوم تنزل کے گڑھے میں ہمیشہ کے لئے گر جائیگی۔ کیونکہ ملک یا قوم کی ترقی کا انحصار انہیں چند آدمیوں پر ہوتا ہے۔ پس اسی لئے حضرت کرشن علیہ السلام نے دنیا میں رہتے ہوئے معرفت الٰہی حاصل کرنے کا راستہ بتلا دیا۔ جو کہ فطرت انسانی کے عین مناسب حال ہے۔

اسی طرح آپ نے ذات پات کے تعصب کو بھی مٹا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خیال غلط ہے کہ برہمن صرف پوجا کریں اور کھشتری کی زندگی صرف جنگ کیلئے ہی وقف ہو جائے یا شودر دن رات ایک کر کے عیش پرست دنیا کے لئے کھانے پینے اور عیش و عشرت کے سامان مہیا کریں وغیرہ بلکہ ہر کام ہر انسان خواہ وہ کسی ذات سے تعلق رکھتا ہو کر سکتا ہے اُسے اُس کی نیت کا ثواب ملے گا۔ کوئی انسان چھوٹا کام کرنے سے چھوٹا نہیں ہو جاتا۔ اگر اُس کی نیت صاف ہے اور وہ حالات کے لحاظ سے مجبور ہے تو اُسے وہی ثواب ملے گا جو دوسروں کو ملتا ہے۔

حضرت سری کرشن کو جب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور تجلی حاصل ہوئی تو آپ نے اپنا دھرم پرچار کرنا شروع کر دیا۔ آپ ایک عظیم الشان خدا نما انسان تھے۔ شری کرشن کے دل میں ایک پریم کا دریا بہتا تھا۔ اُن کی بانسری سے محبت کی صدا گونجتی تھی۔ اُن کا دھرم پرچار مرلی کے ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ اُن کی زبان مرلی تھی۔ اُن کی زبان سے جو کلمات نکلتے تھے وہ ایک بانسری سے بھی زیادہ اپنے اندر کشش رکھتے تھے۔ کیونکہ اُن کی آواز دراصل پرم پتا پرماتما کی آواز تھی جس کو سننے اور عمل کرنے کے لئے ایک دنیا آپ کے ارد گرد جمع ہو گئی۔ اور آپ کا بابرکت مشن بہت تھوڑے ہی عرصہ میں ترقی کر گیا۔ آپ نے برج کے تمام گوپی گوپالوں کے دلوں کو پاک کر دیا اُن کو تقویٰ کا لباس پہنایا۔ اُن کے اندر ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ اُن میں آپ نے وہ روح پھونکی جس کے ذریعہ اُنہیں صرف با اخلاق انسان نہیں بلکہ باخدا انسان بنا دیا۔

حضرت سری کرشن علیہ السلام ایک بہت بڑے مہمان نواز تھے۔ یہی نہیں کہ آپ صرف اپنے دوستوں کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہوں بلکہ اُن کے دل میں تمام مخلوق خدا کے لئے وہی ہمدردی اور محبت کا جذبہ تھا۔ جو ایک دوست کے متعلق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب یدھشٹر نے اشومیگھ یگیہ کیا تو سوچا گیا کہ مہمان نوازی کا کام کس کے سپرد کیا

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام کا فرمان

"اور ہم لوگ دوسری قوموں کے نبیوں کی نسبت ہرگز بدزبانی نہیں کرتے بلکہ ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس قدر دنیا میں مختلف قوموں کے لئے نبی آئے ہیں اور کروڑہا لوگوں نے ان کو مان لیا ہے۔ اور دنیا کے کسی حصہ میں ان کی محبت اور عظمت جاگزیں ہو گئی ہے۔ اور ایک زمانہ دراز اس محبت اور اعتقاد پر گذر گیا ہے۔ تو بس یہی ایک دلیل ان کی سچائی کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتے تو یہ قبولیت کروڑہا لوگوں کے دلوں میں نہ پھیلتی۔ خدا اپنے مقبول بندوں کی عزت دوسروں کو ہرگز نہیں دیتا۔ اور اگر کوئی کاذب ان کی کرسی پر بیٹھنا چاہے تو جلد تباہ ہوتا اور ہلاک کیا جاتا ہے۔"

(پیغام صلح صفحہ ۲۳)

جائے۔ تمام سبھا میں سناٹا چھایا ہوا تھا آپ فی الفور کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ میں مہمانوں کی خدمت کروں گا" لہذا اُس یگیہ میں جتنے بھی مہمان آئے آپ نے ان کی دل و جان سے خدمت کی اور اپنے فرض کو بڑی تندہی سے بجالائے۔ اسی طرح آپ کا ہاتھ غرباء اور مساکین کے لئے ہر وقت فراخ رہتا تھا۔ آپ کسی کے دکھ کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت شری کرشن کے ایک ہم جماعت سداما نامی برہمن جو گردشِ زمانہ سے بہت [illegible] مفلس ہو گئے تھے۔ جب اُن کے دربار میں پہنچے تو آپ نے سداما کی ویسی ہی عزت و تکریم کی جیسی کہ پہلے کرتے تھے۔ آپ نے سداما کے دو مٹھی چاولوں کی نذر کو بخوشی قبول فرمایا اور اظہارِ محبت کے لئے سداما کے سامنے ہی کچے چاولوں کو چبالیا۔ یہ اخلاق اور غرباء کے دلوں کو اُبھارنے والا ایسا نمونہ ہے۔ جس نے شری کرشن کی زندگی کو آفتاب کی طرح روشن کر دیا ہے۔ ورنہ ایسے افلاس میں کسی کو کون پوچھتا ہے۔ دوست دوست کو بھول جاتا ہے۔ مگر ذرا شری کرشن علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ کو ملاحظہ فرمایئے۔ آپ نے نہ صرف اُس کی عزت افزائی کی اور نہ صرف اُس کے مٹھی بھر چاولوں کی بھینٹ (نذر) کو قبول فرما کر اپنی فراخدلی اور محبت و خلوص کا نمونہ ہی پیش کیا بلکہ آپ نے اس غریب برہمن کو اپنے جیسا امیر و کبیر بنا دیا۔ اسی طرح آپ کی سوانح حیات میں ایک اور واقعہ مشہور ہے۔ ایک دفعہ دریودھن کے گھر کی پوری کچوڑی اور خوب خوش ذائقہ کھانا پسند نہ فرمایا۔ بلکہ بدر کے گھر کا ساگ اور خشک موٹی روٹی کو قبول فرمایا۔ اس سے آپ کی فراخدلی اور غرباء پروری کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کس طرح غرباء سے محبت و پریم سے پیش آتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے کہ جس کے دل میں پریم نہیں اور جس کے دل میں بھگتی نہیں اُس کے ڈھیروں ڈھیر سامان کو میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ اُس کی بھینٹ (نذر) کو قبول کروں۔ میرا دل محبت و پریم کے صرف ایک پان سے ہی ترنجہ جاتا ہے"۔

حضرت شری کرشن علیہ السلام میں قوتِ برداشت کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ اُنہیں اپنے مشن کے پرچار کرنے میں بڑی بڑی روکیں پیش آئیں۔ مگر جو خدا کا پودہ لگایا ہوا ہوتا ہے۔ وہ بہر حال ترقی کر کے تناور درخت بنتا ہے۔ ایسا ہی آپ کی جماعت کا حال ہوا کہ باوجود رکاوٹوں کے وہ ترقی کر گئی۔ شسوپال نے ایک دفعہ آپ پر گالیوں کی بوچھاڑ کی۔ آپ خاموشی سے سنتے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور صبر سے برداشت کرتے رہے مگر حد سے تجاوز کرنا بھی خطرہ کا موجب ہوتا ہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ اب پاپ کا پیالہ لبریز ہو گیا ہے، تو آپ نے ایک ہی سودرشن چکر سے اُسے نشٹ کر دیا۔

غرضیکہ حضرت شری کرشن ؑ نے اپنی تعلیم اور نمونہ کے ذریعہ دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ خدا کے زندہ وجود کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور بھٹکی ہوئی دنیا کو راہ راست پر لے آئے۔ ہر ایک انسان کو اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ میرے بعد میرے گھر والے یا میرے پیروکار کس راستے پر گامزن ہوں گے۔ کہیں یہ اپنے اصل مارگ سے بھٹک نہ جائیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے مرسل اپنے پیروؤں کو یقین دلا کر دنیا سے جاتے ہیں۔ یہ قاعدہ ہے کہ نبیوں کی وفات کے کچھ عرصہ بعد لوگ اُن کی تعلیم سے دور چلے جاتے ہیں۔ سچائی اُٹھ جاتی ہے۔ کذب زوروں پر ہو جاتا ہے پھر رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے۔ اور وہ خدا دنیا کو راہِ راست پر لانے کے لئے اپنا کوئی بزرگ دنیا میں مبعوث فرماتا ہے۔ جو اُس کی بھٹکی ہوئی دنیا کو ایک جھنڈے کے نیچے اکٹھا کر دیتا ہے چنانچہ حضرت شری کرشن علیہ السلام نے اپنی گیتا میں اپنے دوبارہ جنم دھارن کے متعلق ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی ہے۔

यदा यदा हि धर्मस्य ग्लानिर्भवति भारत।
अभ्युत्थानमधर्मस्य तदात्मानं सृजाम्यहम्॥
परित्राणाय साधूनां विनाशाय च दुष्कृताम्।
धर्मसंस्थापनार्थाय सम्भवामि युगे युगे॥

ترجمہ:۔ یعنی جب کبھی دھرم کا ناش ہونے لگتا ہے اور ادھرم کی زیادتی ہونے لگتی ہے تب میں اوتار دھارن کیا کرتا ہوں"۔ کیا اس زمانہ میں دھرم کی ہانی نہیں ہو رہی؟ اور کیا ادھرم کی زیادتی نہیں ہو رہی؟ اگر اس کا جواب ہاں میں ہے تو پھر شری کرشن کو آجانا چاہیئے تھا۔ ساری دنیا میں چیخ و پکار مچی ہے کہ بھگوان شری کرشن جی کے جنم لینے کا یہی وقت ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کا مشہور اخبار تیج دہلی لکھتا ہے:۔

"اب بھگوان کرشن کے جنم کی مہابھارت کے زمانہ سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ دنیا سے شرم اُٹھتی جا رہی ہے۔ گذشتہ ایک ہزار برس سے ہندوستان میں جو آفات نازل ہوئیں اُن کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ لیکن بیسویں صدی میں سوشل زوال اور پولیٹیکل گراوٹ انتہائی حالت کو پہنچ گیا ہے۔ اگر بھاگوت گیتا میں بھگوان کا وعدہ سچا ہے تو اوتار کی سب سے زیادہ ضرورت آج کل ہے۔ اس لئے بھگوان کرشن آؤ! جنم لو۔ دنیا سے ناپاکی دور کرو۔ دھرم پھیلاؤ۔ مستحق کو اس کے استحقاق دو۔ عذابوں سے دنیا کو پاک کرو۔ اور یہ وعدہ پورا کرو ؎

چوں بنیاد دین سست گردد بسے
نمایم خود را بشکل کسے"

(اخبار تیج دہلی ۱۸ / اگست ۱۹۳۰ء منقول از الامان ۲۳ / اگست ۱۹۳۰ء)

آگے ذرا ست گیگ نمبر ۱۹۴ کا حوالہ ملاحظہ ہو۔

"بھائیو! یہ ممکن ہے کہ اوتار ہو چکا ہو اور آپ لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ کیونکہ وہ تمام پیشگوئیاں جو شاستروں [illegible] نے بیان کی ہیں [illegible] ہو چکی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ لاکھ ہم کہیں کہ ابھی وقت نہیں لیکن یہ حالات بتا رہے ہیں کہ بھگوان کو ضرور جنم دھارن کر لینا چاہیئے۔ گو ہم ان کو پہچان [illegible] ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب اوتار دھارن کرتے ہیں تو اُن کی پہچان آسان نہیں ہوتی۔ رام چندر کو پہچاننے میں جنک جیسے یوگی راج بھی بھول گئے۔ دشرتھ نے صرف اُنہیں اپنا فرزند ہی سمجھا۔ یہاں تک کہ پرشو رام بھی اُن کو پہچان نہ سکے تو جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے تو عام پبلک کو اوتار پہچاننے میں ضرور دقت ہو گی۔ پس یہ کہنا کہ پنڈت لوگ جس کو اپنا اوتار کہیں اس کو مانو۔ یہ بے وقوفی ہے۔ اوتاروں کو صرف وہی لوگ مانتے ہیں جن کے قلب صاف ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ جیسے شنکر آچاریہ اور نشاد وغیرہ بھگتوں نے اوتار کو جان لیا۔ لیکن دوسرے لوگ نہ پہچان سکے"۔

(ست گیگ نمبر ۱۹۴)

میں تمام بھائیوں اور بزرگوں کو خوشخبری دیتا ہوں کہ موجودہ زمانہ ہو جب دھرم کی نیستی اور ادھرم کا دور دورہ زوروں پر تھا۔ تو لوگوں کی پکار اور التجا کے عین مطابق پرم پتا پرماتما نے اپنی خاص کرپا سے بھارت ورش کی پوتر بھومی میں قادیان کی مقدس بستی میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو کرشن اوتار بنا کر بھیجا ہے۔

میرے محترم بھائیو!! دور دور کے ممالک سے لوگ اس آواز کو جو موجودہ زمانہ کے اوتار کے ذریعہ سے دنیا کے فائدہ کے لئے بلند ہوئی قبول کر رہے ہیں اور اپنے گناہوں اور پاپوں سے مکتی حاصل کر رہے ہیں۔ بھارت واسیوں کا سب سے زیادہ فرض ہے کہ وہ بھی اس آواز کو سنیں اور قبول کریں۔ جو خود اُن کی اور اُن کے ملک کی ترقی اور بہبودی کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کے اپنے دیش سے بلند ہوئی ہے موجودہ زمانہ کے اوتار نے متعدد دفعہ اپنی تقاریر اور تصانیف میں فرمایا کہ میں مسلمانوں کے لئے مہدی، عیسائیوں کے لئے مسیح موعود۔ بدھ مذہب والوں کے لئے گوتم بدھ اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں اور اسی طرح دیگر مذاہب والوں کے لئے ان کے مذاہب کے دیئے ہوئے وعدہ کے مطابق اُن کا پیشوا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے وہ ساری صفات مجھ میں جمع کر دی ہیں۔

مبارک ہیں وہ جو خدا تعالیٰ کی اس آواز کو سنیں اور اس زمانہ کے اوتار کو قبول کر کے روحانی زندگی حاصل کریں۔

بقیہ شری رامچندر جی کے حالات زندگی

عورت کو حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔ بلکہ یہ جنگ دھرم اور ادھرم میں ہوا ہے۔ اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ پرماتما نے اس جہاد میں دھرم کو غلبہ بخشا۔ آپ [illegible] آپ نے [illegible] کچھ عرصہ بعد سیتا جی کو بن باس دے دیا تھا۔

[illegible] کا مقدم حق ہے

لنکا والوں نے آپ سے اصرار کے ساتھ لنکا کا راج سنبھالنے کی درخواست کی۔ لیکن آپ نے راج منظور نہیں کیا۔ بلکہ [illegible] وغیرہ کا راج ملک والوں کے سپرد کر کے اصول بتلایا کہ ملک کا راج ملک والوں کا مقدم حق ہے۔ اگر وہ اس کے اہل ہوں۔

اجودھیا میں واپسی

اب چونکہ آپ کے بن باس کی مدت ختم تھی۔ لہذا آپ مع اپنے ساتھیوں کے جن میں لکشمن اور ہنومان وغیرہ بھی شامل تھے۔ چترکوٹ کے رستہ گنگا پار کر کے اجودھیا واپس لوٹے۔ نیک دل بھرت اور پرجا نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ اور آپکی تشریف آوری کی خوشی میں سارے شہر میں چراغاں کیا گیا۔ جو آج تک دیوالی کے نام سے منایا جاتا ہے۔ بھرت جی نے راج آپ کے سپرد کیا۔

ہجرت کے بعد عظیم الشان ترقی

اوتاروں، پیغمبروں کو عظیم الشان ترقی ہجرت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ہجرت کے بعد ترقی پہ ترقی عطا فرمائی۔ شمالی ہند سے جنوبی ہند اور لنکا کے کناروں تک آپ کی محبت و اقتدار کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ طاغوتی طاقتیں نشٹ ہو گئیں۔ لوگ تقویٰ و طہارت میں ترقی کرنے لگے

رام راج

جس طرح آپ نے اولاد، بھائی، بیوی، سپاہی، جرنیل، سادھو، یوگی، مسافر اور شہری کو عملاً تعلیم پیش کی تھی۔ اسی طرح تخت پر بیٹھ کر "رام راج" قائم کر کے بادشاہوں کو عدل و انصاف کی تعلیم دی۔ آپ کے راج میں لوگوں کو ہر طرح مذہبی آزادی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے شری لچھمن جی کو ملکی قانون کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں شہر بدر کی سزا دی تھی۔ رام کا عدل مجسم رام تھا۔ آزادی ضمیر آزادی مذہب آپ کے راج کا خاصہ تھا ہر ایک فرد سکھ و چین سے زندگی بسر کرتا تھا۔ تلسی داس نے رام راج کا نقشہ یوں کھینچا ہے،

दैहिक दैविक भौतिक तापा।
राम राज्य नहिं काहुहि ब्यापा॥
सब नर करहिं परस्पर प्रीती।
चलहिं स्वधर्म निरत श्रुति नीती॥

"رام راجیہ میں کسی کو کبھی جسمانی تکالیف، آسمانی عذاب اور زمینی دکھ نہیں تھے۔ ہر ایک آپس میں محبت کرتا تھا۔ ہر ایک اپنے اپنے مذہب پر آزادانہ چلتا تھا۔ کسی قسم کا جبر نہیں تھا"۔

(باقی صفحہ [illegible] کالم نمبر [illegible] پر ملاحظہ ہو)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

از مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب درویش واقف زندگی قادیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات بائیبل اور قرآن شریف میں نیز بعض پرانی تاریخوں میں مذکور ہیں۔ ان میں بعض اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر قرآن شریف نے بائیبل کے بیان کی تائید کی ہے۔ ان دونوں میں سے قرآن شریف کا بیان ہی اس قابل ہے۔ کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات کے لئے بنیاد کے طور پر سمجھا جائے۔ کیونکہ تاریخی لحاظ سے بائیبل کا وہ پایہ نہیں جو قرآن شریف کا ہے۔ اول تو موجودہ بائیبل ترجمہ کے طور پر ہمارے تک پہنچی ہے۔ دوسرے علماء محققین کے نزدیک اس میں بہت سی تحریفات اور تبدیلیاں بھی ہو چکی ہیں۔ بہرحال بائیبل بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی معلوم کرنے کیلئے ایک قیمتی ذخیرہ مہیا کرتی ہے۔

قرآن شریف اور بائیبل میں جو حالات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج سے قریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے جبکہ شاہ مصر نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ اسرائیلی قوم کی لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے اور لڑکوں کو قتل کر دیا جائے۔ آپ ایک اسرائیلی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ والدین نے اس بچہ کو چھپائے رکھا آخر حکومت سے ڈر کر آپ کی والدہ نے ایک بکس تیار کیا اور اس میں اس معصوم بچہ کو رکھ کر اُسے دریا میں بہا دیا۔ صندوق بہتا ہوا دریا کے کنارے پر اُگی ہوئی گھاس میں ایک جگہ جا کر رک گیا۔ اتفاق سے وہاں شاہی خاندان کی ایک عورت موجود تھی۔ اس نے باوجود یہ جاننے کے یہ کوئی اسرائیلی بچہ ہوگا اپنی اچھی فطرت کے تقاضا سے اُسے اٹھوا لیا۔ بچہ کی بڑی بہن (جس کو والدین نے بکس کے پیچھے لگا رکھا تھا کہ دیکھے کہ بکس کہاں جاتا ہے) نے شاہی خاندان کی عورت کی یہ خواہش ظاہر کرنے پر کہ بچہ کی پرورش کا اب کیا انتظام کیا جائے کہا کہ یہاں قریب ہی ایک بڑی اچھی دایہ رہتی ہے۔ حکم ہو تو اُس کو بلا لیا جائے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہی ان کی پرورش کے لئے بلا لیا گیا۔ الٰہی تقدیر کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی گود میں لیکن مصر کے شاہی خاندان کے زیر انتظام و سایہ پرورش پائی۔

جب آپ بڑے ہوئے تو آپ کو اپنے خاندانی اور نسلی حالات اور اپنی قوم کی سابقہ شاندار تاریخ کا علم ہوا۔ اور اس کی تباہ حالی و بربادی دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا رہتا۔ آپکی جوانی کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک مصری کو ایک اسرائیلی پر ظلم کرتے دیکھا (اسرائیلی بیچارے ان دنوں مصر میں غلاموں اور مزدوروں کی زندگی بسر کرتے تھے) آپ نے مظلوم کی حمایت و تحفظ کے لئے ظالم کو ایک مکا مار دیا۔ جس سے وہ ظالم مصری مر گیا۔ گو آپ شاہی محلات میں ہی بود و باش رکھتے تھے۔ لیکن آپ کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ ایک اسرائیلی کے مقابلہ میں مصری کو مار دینے کا قصور آپ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے آپ وہاں سے علاقہ مدین کی طرف چلے گئے۔ وہاں آپ ایک چشمہ کے پاس بیٹھے تھے تو آپ نے دیکھا کہ بہت سے چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اور دو لڑکیاں ان سے الگ کھڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان سے ہمدردی ہوئی آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور تمہارا یہاں کیا کام ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے۔ اس لئے ہم اس کی بجائے کام کرتی ہیں۔ اور جب تک یہ چرواہے پانی نہ پلا لیں ہم اپنی باری نہیں لے سکتیں۔ آپ نے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا تو وہ چلی گئیں۔ گھر جا کر آپ کا ذکر اپنے والد سے کیا تو لڑکیوں کے والد (جس کا نام بائیبل میں "یترو" آیا ہے) نے آپ کو بلوایا آپ نے وہاں پہنچ کر اپنے سارے حالات سنائے تو اس نے آپ کے اعلےٰ اخلاق کو دیکھ کر خواہش کی کہ وہ اپنی ایک بیٹی کا نکاح آپ سے کر دے شرط یہ ٹھہری کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام آٹھ سال اگر ہو سکے تو دس سال اپنے خسر کی خدمت کریں۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اس کو منظور کر لیا۔ اور اس کے مطابق اپنے خسر کی مدت معینہ تک خدمت کی اور شادی کر لی۔ اس کے بعد آپ نے مصر جانے کا عزم کر لیا۔ راستہ میں ایک جگہ پر آپ کو آگ کی ضرورت ہوئی۔ اور آپ کو ایک طرف آگ کا شعلہ نظر آیا۔ چنانچہ آپ اپنے اہل بیت کو وہیں ٹھہرا کر آگ کی طرف گئے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو خدا تعالےٰ نے آپ پر وحی کی اور فرمایا

اِنِّیْ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۔۔۔۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (سورہ طٰہٰ) اس کا ذکر بائیبل میں اس طرح آتا ہے۔

"تو خدا نے اسے جھاڑی میں سے پکارا اور کہا اے موسیٰ اے موسیٰ اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ تب اس نے کہا ادھر پاس مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اتار کیونکہ جس جگہ تو کھڑا ہے۔ وہ مقدس زمین ہے۔ پھر اس نے کہا میں تیرے باپ کا خدا اضحاق (اسحاق) کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں ۔۔۔۔۔۔ (خروج باب ۳)

آپ کو اس وقت دو معجزات بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے دیئے گئے۔ ایک یہ کہ بوقت ضرورت آپ کا سونٹا سانپ بن جائے اور دوسرا یہ کہ آپ کا ہاتھ روشن اور سفید نظر آئے۔

آپ کو خدا تعالےٰ نے حکم دیا کہ فرعون (شاہ مصر) کے پاس جا کر بنی اسرائیل کی رہائی کی کوشش کریں۔ آپ نے خدا تعالےٰ سے دعا کی کہ آپ کو ملکۂ تقریر عطا کیا جائے۔ آپ کا سینہ کھول دیا جائے آپ کو حضرت ہارون بطور وزیر اور معاون کے دیا جائے۔ خدا تعالےٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ چنانچہ آپ اور حضرت ہارون علیہ السلام فرعون مصر کے پاس گئے اور اس سے جا کر قوم بنی اسرائیل کو رہا کر دینے کو کہا۔ اس تعلق میں بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر نرمی اور ضروری ادب کو ملحوظ رکھا جائے چنانچہ آپ نے فرعون کو خدا پر ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو رہا کرنے کے لئے درخواست کی۔ لیکن فرعون انکار پر مصر رہا۔ بلکہ مقابلہ میں طاقت کا دعویٰ کیا۔ اور نشانات کا مطالبہ کیا۔ آپ نے دونوں مذکورہ معجزات دکھائے۔ (یعنی سونٹے کا سانپ بننا اور ید بیضا) فرعون نے مقابلہ کے لئے تمام ملک سے جادوگر اکٹھے کئے۔ لیکن جادوگروں کی شعبدہ بازیاں اور سحر طرازیاں آپ کے مقابلہ میں ناکام رہیں۔ اور وہ خدائی معجزہ کو دیکھ کر آپ پر ایمان لے آئے۔ لیکن فرعون نہ مانا چنانچہ خدا تعالےٰ نے اس کے ملک اور حکومت کو برباد کرنے کے لئے پے در پے عذاب اور نشانات دکھائے۔ لیکن باوجود اس کے شاہ مصر سرکشی میں بڑھتا گیا۔ ہر دفعہ یہی کہتا کہ اس دفعہ دعا کر کے عذاب ٹلا دو پھر میں مان لوں گا۔ لیکن عذاب ٹل جانے کے بعد انکار کر دیتا (اعراف رکوع ۱۶) اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو صبر کی تلقین کرتے رہے اور انہیں خدا تعالےٰ کے حضور گریہ و زاری اور دعائیں مانگنے کی طرف متوجہ کیا (سورہ یونس رکوع ۹) ایک عرصہ تک ہر قسم کی سختیاں بنی اسرائیل برداشت کرتے رہے آخر خدا تعالےٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو ہجرت کا حکم ہوا۔

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت کی وجہ سے فرعون اور اس کی قوم کے لئے بہت بڑا اقتصادی نقصان تھا کیونکہ یہ غریب اور محکوم لوگ تھے۔ ان سے غلاموں والے تمام کام برائے نام مزدوری پر یا مفت کرا لئے جاتے تھے۔ دوسرے فرعون کے رعب و وقار کو بھی دھکا لگتا تھا۔ کیونکہ ایسی کمزور قوم بھی اسکی حکومت سے اس کی اجازت کے بغیر جا رہی تھی۔ اور اس طرح فرعون کی نیکنامی پر بھی دھبہ لگتا تھا کیونکہ جہاں بنی اسرائیل جائیں گے وہاں اس کے مظالم کی داستانیں سنائیں گے۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کی زندگی کے سامان بھی خدا تعالیٰ نے ان کی ہجرت میں رکھ دیئے تھے (خدا تعالےٰ کے نزدیک جابر حکومتوں کے مقابلہ کا آخری علاج یہ نہیں کہ ان کے ماتحت رہ کر ان کے قوانین کی خلاف ورزی کی جائے بلکہ قوانین پر عمل کرتے ہوئے اپنے مطالبات پیش کر کے مراعات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر سب حیلے ناکام ہو جائیں تو اس ملک سے ہجرت کر جانی چاہیئے) گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ ہجرت آسان نہ تھی۔ بلکہ گوناگوں مشکلات اور دقتیں راہ میں حائل تھیں۔ جن کا حل آپ نے کرنا تھا۔ اگر خدا تعالےٰ سے آپ کا تعلق نہ ہوتا اور خدا کی خاص نصرت آپ کے ساتھ نہ ہوتی تو یہ مشکلات کیسے دور ہو سکتی تھیں۔ بہرحال آپ اپنی قوم کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ فرعون نے آپ کو روکنا چاہا اور آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ اور آپ کی قوم بحیرہ قلزم کے شمالی حصہ کی طرف پہنچے تو

. . . . خدا تعالےٰ کی خاص تقدیر سے جزر شروع ہو گیا اور اس طرح رستہ بن گیا آپ اپنی قوم سمیت بمعہ سامان گذر گئے۔ فرعون اور اس کے لشکر سمندر کو خشک دیکھ کر پیچھے ہو لئے۔ وہ ابھی گذر ہی رہے تھے کہ مد کا وقت آ گیا۔ اور وہ سب غرق ہو گئے۔ غرق ہوتے وقت فرعون نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں تو خدا تعالےٰ نے جواباً فرمایا کہ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ (سورہ یونس رکوع ۹) قرآن شریف کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے کا یہ عظیم الشان نشان ہے کہ فرعون مصر کی غرقابی کے تقریباً دو ہزار سال بعد اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ اس کی لاش غرق ہونیکے بعد آئندہ آنیوالی نسلوں کے لئے محفوظ کی گئی ہے اس بات کا ذکر نہ بائیبل میں ہے اور نہ ہی کسی پرانی تاریخ میں اور نہ قرآن کریم کے نزول کے وقت لوگوں کو اس کا علم تھا۔ لیکن قرآن کریم کے نزول کے تیرہ سو سال بعد اہرام مصر میں سے فرعون موسیٰ کی نعش صحیح و سالم برآمد ہو گئی۔ اور وہ اب بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ فاتحی مل دشق۔

سمندر سے پار نکلنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ایک جگہ ٹھہرا کر چالیس دنوں تک کوہ طور پر خلوت میں چلے گئے اور یہاں آپ پر شریعت کے احکام نازل ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی کتاب

(باقی صفحہ کالم نمبرا پر ملاحظہ ہو)

اسلام جس خدا کو پیش کرتا ہے۔ اور جس ہستی پر ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ ربّ العٰلمین ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس نے ہندوستان یا عرب کے ملک کے بسنے والوں کی ربوبیت اور ان کے نشوونما کے سامان فرمائے ہیں۔ اسی طرح وہ دوسرے ممالک کی جسمانی اور روحانی ضروریات کو بھی پورا کرنے والا ہے۔ پھر جس طرح جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس نے ہر ملک۔ قوم اور علاقہ میں ہر زمانہ میں سامان مہیا کئے۔ اسی طرح روحانی ضروریات اور تقاضوں کو بھی پورا کیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خدا کی پاک کلام قرآن مجید میں اسی اصول کو پیش کیا گیا ہے۔ کہ

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

یعنی ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کی طرف سے ہوشیار کرنے والے اور اس کے نام کی طرف توجہ دلانے والے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا نام اوتار رکھ لو۔ ان کو رشی کہہ لو یا منی یا پیغمبر کا نام دے لو۔

اسلام کی یہ تعلیم دنیا کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لانے والی اور محبت اور اخوت کے جذبات پیدا کرنے والی ہے۔ اسکی رو سے نہ صرف یہ کہ کسی دوسرے مذہب کے پیشواؤں کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ انہیں اپنا ہی بزرگ سمجھا گیا ہے۔ میں اس مضمون میں حضرت زرتشت کے حالات و اخلاق کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جو پارسی یا زرتشتی مذہب کے بانی ہیں۔

حضرت زرتشت علیہ السلام کا زمانہ بہت پرانا ہے۔ اور ان کے زمانہ کی صحیح تعین کے متعلق بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض تو حضرت زرتشت کا زمانہ ۶۰۰۰ سال قبل مسیح بتاتے ہیں۔ مگر بعض قریب کا زمانہ قرار دیکر ۱۲۰۰ اور ۱۰۰۰ قبل مسیح قرار دیتے ہیں۔ لیکن پروفیسر اے۔ وی ولیم جیکسن نے اس سے بھی قریب زمانہ بتایا ہے۔ ان کی تحقیق کی بنا پر حضرت زرتشتؑ کا زمانہ ۶۶۰ سے ۵۸۳ قبل مسیح بنتا ہے۔ اور موجودہ تحقیقات کی روشنی میں یہی تعین زیادہ صحیح سمجھی جاتی ہے۔

اگرچہ اس قدر قدیم زمانہ گذرنے کی وجہ سے تاریخ ان کے بہت سے واقعات اور سیرت اور سوانح کو محفوظ نہیں رکھ سکی۔ تاہم جس قدر معلوم ہو سکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ آذربائیجان یعنی میڈیا کے مغرب میں پیدا ہوئے اور آپکی پیدائش شاہی خاندان میں ہوئی۔ یعنی آپ کے والد ماجد کا نام پوروشاسپو اور والدہ کا نام دکتاب تھا اور آپ کا یہ خاندان بادشاہ منوشہر پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ اس طرح یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کہ خدا کے تمام برگزیدہ انسان بالعموم اپنی قوم کے معزز ترین طبقہ میں سے ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت زرتشت علیہ السلام کی والدہ محترمہ ابھی چھوٹی عمر کی ہی تھیں۔ کہ آسمان سے ایک نور اترا۔ جو ان کے اندر داخل ہو گیا۔ اور ان میں ایک ایسی کیفیت پیدا کر دی۔ کہ آپ کے نانا نے سمجھا۔ کہ شاید آپ پاگل ہو گئی ہیں۔ اور اس خیال سے کہ میری بدنامی کا موجب نہ ہو۔ یا کوئی اور نقصان نہ پہنچے۔ آپکی والدہ نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا اسی طرح بے سروسامانی کی حالت میں سفر کرتی ہوئی اس ضلع میں پہنچی۔ جہاں حضرت زرتشت علیہ السلام کے آباؤ اجداد کا قبضہ تھا۔ حضرت زرتشت علیہ السلام کے دادا نے اپنے بیٹے کا نکاح آپ سے کر دیا اور پھر اس مقدس جوڑے سے حضرت زرتشت علیہ السلام پیدا ہوئے۔

کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ملک کا بادشاہ تمام بچوں کو مروا ڈالتا تھا۔ مگر خدا کی خاص حفاظت کے تحت حضرت زرتشتؑ صحیح وسالم رہے۔

سات سال کی عمر میں آپ کو ایک نہایت ہی عالم اور بزرگ شخص کی تربیت میں رکھا گیا۔ ابتداء ہی سے آپکی توجہ مذہبی امور کی طرف تھی اور باوجود نوعمر ہونے کے مذہبی امور پر گفتگو کے دوران میں بسا اوقات بڑے بڑے عالموں کو آپکی غیر معمولی ذہانت اور علم کا لوہا ماننا پڑا۔ سچ ہے

النبيّ نبيٌّ ولو كان صبيا

جب آپؑ پندرہ سال کی عمر کو پہنچے۔ تو آپؑ نے اپنی زندگی دینی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ آپؑ کی طبیعت میں غرباء سے ہمدردی اور جانوروں کے لئے رحم کا مادہ نمایاں طور پر پایا جاتا تھا۔ بیس سال کی عمر کو پہنچ کر آپ اپنے والدین کی رضامندی کے بغیر ہی اپنے گھر سے سیر و سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

سن بلوغت کو پہنچنے پر آپکی شادی کا انتظام کیا جانے لگا۔ تو آپؑ نے اپنے والدین سے برملا کہہ دیا۔ کہ میں اپنی منسوبہ کو دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ آپکی خواہش پوری کر دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق نہایت ہی بابرکت اور [illegible] بعد میں پیدا ہونے والے کئی قسم کے ناخوشگوار حالات کا بہترین سدباب ہے۔ چنانچہ اسلام نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ اور اجازت دی ہے۔ کہ نکاح سے پیشتر اگر کوئی شخص اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی خواہش کرے۔ تو ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ الغرض حضرت زرتشت علیہ السلام کی شادی ہوئی۔ اور نہ صرف ایک۔ بلکہ تین دفعہ۔ پہلی دو نوں بیویوں سے آپکی اولاد ہوئی۔ مگر تیسری بیوی کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

تیس سال کی عمر کو پہنچنے پر آپ پر ایک انقلابی دور آیا۔ اس وقت آپؑ خدا تعالیٰ کے مقدس ہاتھ سے خاص طور پر پاک و صاف کئے گئے۔ اس طرح عبادت و ریاضت میں برابر دس سال گذارے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر خدا تعالیٰ سے خاص روحانی طاقت و درجہ حاصل کیا۔

عین اسی وقت جبکہ آپؑ دریائے ڈیٹی کو عبور کر کے اس کے کنارے پر کھڑے تھے۔ عالم کشف میں آپؑ نے ایک فرشتہ کو بہت بڑی شکل میں دیکھا۔ یہ فرشتہ داہومان تھا جس نے آپؑ کو کپڑے اتارنے اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بلانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہی فرشتہ آپؑ کو عالم کشف میں آسمان پر لے گیا۔ اور آپ کو الٰہی دربار سے ضروری احکام عطا ہوئے۔ اور بہت سے علوم باطنیہ کا انکشاف آپ پر ہوا۔ اور اس حالت میں آپ کو اپنے اور اپنی جماعت کے مستقبل کا نظارہ بھی دکھایا گیا تھا۔ کہ کن مصائب اور مشکلات سے ان کا گذرنا مقدر ہے۔ اور ایک وقت تک آپکی تمام کوششیں اور محنتیں بظاہر ضائع ہوتی ہوئی نظر آئینگی۔ مگر بالآخر آپؑ کو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوگی۔ الغرض اس قسم کی روحانی کیفیت سے آپکو تین بار مشرف فرمایا گیا۔ اور اس طرح آپکی روحانیت کو تقویت بخشی جا کر آپ کے پائے استقلال کو مضبوط بنایا گیا۔

پارسی لوگ آپ کے ان معراجوں کو کانفرسوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی پہلی کانفرس۔ دوسری کانفرس۔ تیسری کانفرس بلفظ دیگر یہ تین مواقع خاص مناجات رب العلمین کے تھے جس سے آپؑ کو مشرف کیا گیا۔

اگرچہ روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کے بعد شیطان سے آزمائے گئے۔ جس میں آپ نے خاص کامیابی حاصل کی اور شیطانی دساوس سے بچ نکلے۔ مگر حقیقتاً تصویری زبان میں یہ آپ کی پیش آمدہ مشکلات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ طرح طرح کی مخالفتوں اور عداوتوں سے آپؑ کا امتحان ہوگا۔ جس میں آپ کو صبر و ثبات حاصل ہوگا۔

افسوس ہے۔ کہ جب بھی اس دنیا میں خدا کا کوئی محبوب اور اس کا برگزیدہ مبعوث ہوا۔ کسی کو بھی بغیر اذیت اور دکھ دینے کے قبول کرنے پر تیار نہیں ہوئی۔ اسی قدیم سنت سے حضرت زرتشت علیہ السلام کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ آپؑ کی بھی مخالفت ہوئی اور پورے زور کے ساتھ ہوئی عین اس وقت جبکہ حضرت زرتشتؑ کی اندرونی اور بیرونی مخالفت ہو رہی تھی۔ اور اپنوں اور بیگانوں سے دکھ اٹھا رہے تھے۔ نہایت رقت اور درد بھری آہ و بکا سے آپؑ نے ذیل کے الفاظ میں دعا کی:۔

"اے میرے خدا میں کس سرزمین کی طرف بھاگ نکلوں۔ اے میرے خدا تو خود ہی بتا۔ کہ میں کس طریق سے تیری خوشنودی حاصل کر سکتا ہوں۔ اس وقت میں کامیابی سے تہی دست ہوں۔ صرف چند مویشیوں کا مالک اور چند آدمیوں کی ہمدردی حاصل کر سکا ہوں میری آہ و بکا تیرے ہی حضور ہے۔ اس لئے مجھ جیسے بے مددگار کو دیکھ جس طرح ایک دوست مدد کے لئے دوست کو پکارتا ہے۔ تیری ذات حق ہے۔ اسلئے تو ہی مجھے حق کی رہنمائی فرما"

سردار جودھ سنگھ صاحب پرنسپل خالصہ کالج امرتسر کا پیغام

"افسوس کہ ۳۰ ماہ حال کو منعقد ہونے والی صلح و اتحاد کانفرنس میں سابقہ مختلف مصروفیات کے باعث ذاتی طور پر شرکت کرنے سے معذور ہوں۔ لیکن یہ ایسا نیک کام ہے کہ میں اس جلسہ کی کامیابی کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ تمام مذاہب کا اولین مقصود یہ ہے۔ کہ اس کے ماننے والے ایسا طریق اختیار کریں۔ کہ جس سے دوسروں کے احساسات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اور مجھے یقیناً توقع ہے۔ کہ تمام مذاہب کے اچھے لوگ اس سلسلہ میں آپکی کوششوں کو خوش آمدید کہیں گے۔"

چنانچہ جب آپ نے دیکھا۔ کہ آذربائیجان میں دشمن چین اور اطمینان سے نہیں رہنے دیتا۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ میں روک بنتا ہے۔ تو آپ نے چین اور ترکستان کی راہ لی۔ مگر افسوس اس سرزمین نے بھی خدا کے فرستادہ کو قبولیت کی نگاہ سے نہ دیکھا اور آپ یکے بعد دیگرے نہایت بے رحمی سے نکالے گئے ترکستان سے فرغانہ پہنچے۔ مگر افسوس کہ اس علاقہ کے حاکم نے بجائے آپکی تعلیم کو سننے اور اس پر کان دھرنے کے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اور ناچار آپ کو وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے ترک ملک کرنے سے آپ کے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ اور انبیاء کی سنت کے مطابق آپ بھی حضرت احدیت کے آستانہ پر جھک گئے۔ اور اس سے اپنی تکلیف اور دکھ کی فریاد کی۔ سو وہ خدا جس نے آپؑ کو حق اور صداقت دیکر مبعوث کیا تھا عین وقت پر آپکی تسلی اور اطمینان کے لئے نازل ہوا۔ اور فرمایا ذرا صبر کرو اور دیکھو یہی مخالفت پر کمربستہ لوگ آپکی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے آئیں گے اور وہ وقت آتا ہے۔ کہ کامیابی تیرے قدم چومے گی۔ تو صبر کر اور اس وقت کی انتظار کر۔

اس طرح دس سال کی ان تھک محنت و کوشش کے نتیجہ میں آپ کا چچازاد بھائی آپ پر ایمان لایا اب زرتشت علیہ السلام اکیلے نہ تھے۔ بلکہ آپ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے آپ کا ایک معاون بھی شامل ہو چکا تھا۔ مگر یہ دو جانیں مخالفت کے سیلاب عظیم کے سامنے کیا حیثیت رکھتی تھیں۔ حضرت زرتشت نے پھر دعا کی۔ اور خدا کی بارگاہ میں پھر سربسجود ہوئے۔ آپکی دردناک دعا عرش الٰہی تک پہنچی۔ اور خدا تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا۔ اور آپ کو حکم ہوا۔ کہ جاؤ اور ایران کے بادشاہ گشتاسپ کو پیغام حق پہنچاؤ حکم ملتے ہی آپ نے دربار شاہی کا رُخ کیا وہاں پہنچنے پر مذہبی راہنماؤں اور علوم آسمانی کے دعویداروں کی طرف سے مخالفت کی آوازیں بلند ہوئیں۔ مگر خدا کا عجیب کرشمہ ظاہر ہوا۔ کہ اپنے تئیں علم و فضل کا خزانہ قرار دینے والے مباحثات میں لاجواب ہوتے۔ اور آپ کے مقابل پر دم نہ مار سکتے شکست خوردہ حریف نے اپنا آخری زور لگایا۔ اور بادشاہ کے کان بھرنے شروع کئے۔ اور طرح طرح کے بے جا الزامات لگا کر آپ کو قید خانہ میں ڈالدیا۔ مگر جلد ہی بادشاہ پر حقیقت منکشف ہو گئی۔ اور نہ صرف یہ کہ حضرت زرتشت علیہ السلام قید سے رہا کر دیئے گئے۔ بلکہ شاہ ایران آپ پر ایمان لا کر آپ کی غلامی میں آگیا۔

چنانچہ اس خاص مدد سے سارے ایران میں زرتشتی مذہب کا چرچا ہونے لگا۔ خداوند کریم کی ایک نظر سے آن کی آن میں ملک کی کایا پلٹ گئی ایران کی سرزمین میں یہ عجیب انقلاب آیا۔ اور خدا کی طرف سے بلند کی ہوئی آواز کی طرف اب ہر شخص نے کان دھرنے شروع کئے۔ بادشاہ کا وزیر اعظم بھی آپ کی جماعت میں داخل ہوا۔ جو آپکی وفات کے بعد آپ کا پہلا جانشین قرار پایا ۷۷ سال کی عمر میں بلخ میں آپ کی وفات ہوئی اور ایک مدت تک ملک ایران میں آپ کا مذہب مقبول خاص و عام رہا۔

آخر میں چند الفاظ میں میں زرتشتی عقائد کا خلاصہ بیان کر دیتا ہوں:-

۱۔ حضرت زرتشت کے پیرو خدا تعالےٰ کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اُسے اہرمزد (AHURA MUZDA) کہتے ہیں۔

۲۔ فرشتوں کے بھی قائل ہیں۔ جن کو خدا کی مخلوق اور دنیا کے انتظام کے چلانے میں خدا تعالیٰ کا مددگار سمجھتے ہیں

۳۔ وہ شیطان کے وجود پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

۴۔ یہ بھی یقین رکھتے ہیں۔ کہ انسان خدا کی مخلوق ہے۔ اپنے اعمال کے لئے اس کے سامنے جوابدہ ہے۔ انسان اپنے اعمال میں خود مختار پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے نیکی اور برائی اس پر یکساں اثر کرتی ہیں۔

۵۔ وہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کے بھی قائل ہیں۔ اور دوسری زندگی کا اچھا یا برا ہونا۔ موجودہ زندگی کے اچھے اور برے اعمال پر منحصر سمجھتے ہیں۔

۶۔ جزا سزا کے دن کے بھی قائل ہیں۔

۷۔ جنت اور دوزخ پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔

۸۔ وہ وحی اور نبوت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

۹۔ ان کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ موجودہ زمانہ کا خاتمہ بہت نزدیک ہے۔ مگر پہلے اس کے کہ دُنیا کا خاتمہ ہو۔ شیطان اور رحمان کی فوجوں میں آخری جنگ ہوگی۔ اور شیطان کی طاقت ہمیشہ کے لئے توڑ دی جاویگی۔ اور اس کو جہنم میں گرایا جائے گا۔

آخر میں اس فقرہ پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔ کہ خدا کے برگزیدہ اور پیارے حضرت زرتشت پر سلام ہو۔ آمین۔

خاکسار

محمد حفیظ مولوی فاضل

اسسٹنٹ ایڈیٹر

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب سابق سردار مہر سنگھ کی افسوسناک وفات

نہایت ہی افسوس کے ساتھ یہ اطلاع شائع کی جاتی ہے۔ کہ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب المعروف سردار مہر سنگھ جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے صحابی اور سکھ اور مسلمان اتحاد کی ایک یادگار تھے۔ مورخہ ۴ر جون ۱۹۵۳ء کو وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ اگرچہ سکھوں میں سے احمدی ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے بہت جلد اپنی محنت کوشش اور شوق سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں رہ کر علوم اسلامی میں مہارت پیدا کر لی۔ تبلیغ حق کا آپ کے اندر ایک والہانہ جوش و جذبہ تھا۔ بہت سی کتابیں۔ پمفلٹ۔ اشتہارات اپنے صرف کثیر سے شائع کر کے تبلیغ کے لئے مفت تقسیم کئے۔ بالخصوص سکھ اور ہندو بھائیوں کو موجودہ زمانہ کے اوتار اور مصلح کا محبت کا پیغام پہنچانے میں ہر وقت مستعد اور تیار رہتے تھے۔ آپکی سکھ اور ہندو بھائیوں میں وسیع واقفیت اور تعلقات تھے۔ ترجمہ انگریزی و گرائمر پر آپ نے متعدد کتب و خلاصہ جات بھی لکھے ہیں۔ آپ علاوہ قادیان کے مدارس میں ایک لمبا عرصہ تعلیم دینے کا کام کرنے کے جزائر انڈیمان میں بطور ہیڈ ماسٹر سالہا سال تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت ماسٹر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کے لواحقین اور سینکڑوں دوستوں اور عقیدتمندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ ماسٹر صاحبؓ کے متعلق ایک ضروری نوٹ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب ناظر اعلیٰ قادیان کی طرف سے آئندہ پرچہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

افسوس ہے کہ تھوڑا عرصہ پیشتر جناب سردار محمد یوسف صاحب (سابق سردار سورن سنگھ صاحب) وفات پا چکے ہیں۔ اب یہ سکھ اور مسلمان تعلقات کو دوسرا دھکا لگا ہے۔

منظوری عہدیداران

جماعت احمدیہ بمبئی کے مندرجہ ذیل عہدیداران کی ۳۰ر اپریل ۱۹۵۳ء تک کے لئے منظوری دی جاتی ہے۔

۱۔ مکرم وی۔ عبدالکریم صاحب۔ پریذیڈنٹ و سیکرٹری مال۔
۲۔ مکرم وی۔ کے۔ محی الدین صاحب سیکرٹری دعوۃ و تبلیغ و تعلیم و تربیت
۳۔ مکرم عبدالرزاق صاحب منگلوری۔ " امور عامہ و ضیافت۔
۴۔ مکرم عبدالغفور صاحب بمبئی۔ " وصایا و تحریک جدید

ناظر اعلیٰ قادیان

ولادت

۱۔ میرے نسبتی بھائی مکرم چوہدری محمد امین صاحب باجوہ آف چک نمبر ۳۱۲ کتھووالی ضلع لائلپور جو کہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ انہیں اللہ تعالےٰ نے پہلا لڑکا عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ مولود مسعود کو نیک۔ صالح اور لمبی عمر عطا کر کے خادم دین بنائے۔ آمین۔ (چوہدری منظور احمد منیر درویش قادیان)

۲۔ مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب ملتانی افسر لنگر خانہ قادیان کے ہاں مورخہ ۸ر جون کو لڑکی تولد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح مبارک اور باسعادت فرمائے۔ آمین۔

موجودہ زمانہ کا اوتار

یعنی

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام

وہ عظیم الشان شخص جس کی انتظار ہندو بھائی کلنکی اوتار کے نام سے نیکوں کی رکھشا۔ پاپیوں کے ناش اور دھرم کی امامت کرنے کے لئے کر رہے تھے۔ وہ جس کو یہودی مذہب نے "عہد کا رسول" قرار دیا۔ اور جس کے لئے عیسائی حضرت مسیح کی آمد ثانی کے رنگ میں چشم براہ تھے وہ جس کو بدھ مذہب کی پیشگوئی میں "میتریہ" کا نام دیا گیا۔ وہ جس کو اسلام نے "مسیح موعود" اور "مہدی معہود" قرار دیا۔ ہاں وہی جو پارسی مذہب کو "زرتشتی الاصل پیغمبر" اور سکھوں کے لئے "پرنہ تبالہ" گرو ہے قادیان کی بستی میں ظاہر ہو چکا۔ وہ عین اس وقت خدا تعالےٰ کی طرف سے دنیا کی اصلاح اور درستی کے لئے بھیجا گیا۔ جب تمام مذاہب کے لوگ شدت سے اس کی انتظار کر رہے تھے۔ اور ضرورت زمانہ اور گذشتہ پیشگوئیاں اس کے ظہور کی متقاضی تھیں۔ ذیل میں اس عظیم المرتبت انسان کے جو موجودہ زمانہ کا اوتار اور اقوام عالم کا موعود ہے حالات و سیرت پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

پیدائش اور خاندانی حالات

آپ کا اسم گرامی مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں قادیان ضلع گورداسپور میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مرزا غلام مرتضےٰ صاحب اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت چراغ بی بی صاحبہ تھا۔ جو ایمہ ضلع ہوشیار پور کی تھیں۔ آپ کے مورث اعلےٰ مرزا ہادی بیگ ۱۵۳۰ء میں جب ہندوستان میں شہنشاہ بابر کی حکومت تھی۔ سمرقند سے ہندوستان میں ہجرت کر کے آئے۔ آپ کے خاندان کا شجرہ نسب مشہور فاتح امیر تیمور کے چچا حاجی برلاس سے جا ملتا ہے۔

قادیان کی بستی کی بنیاد مرزا ہادی بیگ صاحب نے ہی رکھی تھی۔ اور یہ خاندان جو شاہانہ عظمت و وقار کے ساتھ روحانی اور علمی لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتا تھا مختلف انقلابات میں سے گذرتا ہوا اسی مرکز یعنی قادیان میں قائم رہا۔

عہدِ طفولیت وابتدائی تعلیم

حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کی پیدائش کے وقت آپ کے خاندان کی بہت سی تکالیف جو تقریباً ۷۰ سال کی جلاوطنی اور خاندانی املاک سے بے دخلی کے رنگ میں درپیش تھیں۔ بہت حد تک کم ہوگئیں۔ گویا آپ کی دنیا میں آمد آپ کے خاندان کے لئے خیر و برکت کا موجب ہوئی

آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم کا انتظام مشرقی طریق پر اپنے گھر میں اُستاد رکھ کر کیا۔ اور طبابت کی تعلیم خود بھی دی۔ بچپن کی عمر سے ہی آپ کی ذہانت اور علمی قابلیت ظاہر تھی۔ آپ کا اکثر و بیشتر حصہ ذکر و فکر اور غور و خوض اور مطالعہ کتب میں صرف ہوتا۔ اور آپ اپنی اس عمر میں بھی جو کھیل کود اور ہنسی مذاق کی ہوتی ہے۔ نہایت سنجیدہ، متین، خلوت پسند اور یاد الہٰی میں مگن رہنے والے تھے۔

جب آپ نے تعلیم سے فراغت پائی تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو خاندانی جائیدادوں کے انتظام اور دوسرے دنیوی امور میں لگانا چاہا۔ لیکن ان کے افسوس کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ خاندان کا یہ نونہال ان دنیوی کاموں اور ترقیات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ آپ کا نقطہ نگاہ اور مقصد وحید روحانی اور آسمانی تھا۔

انہی دنوں جب ایک دفعہ آپ کے والد صاحب نے ملازمت کا اچھا موقعہ ملنے پر آپ سے ملازم ہونے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا کہ "میں نے جہاں ملازم ہونا تھا ہو چکا ہوں میرے والد صاحب کو میرا خواہ مخواہ فکر لاحق رہتا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے آپ دینی کتب کے اس انبار میں کھو گئے جو آپ نے اپنے ارد گرد روحانی مشن کی تکمیل کے لئے اکٹھا کیا ہوا تھا۔

الغرض حضرت احمد علیہ السلام کے والد صاحب اپنی انتہائی کوشش کے باوجود آپ کو دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے آمادہ نہ کر سکے۔ بے شک آپ کو اپنے والد ماجد کی انتہائی خواہش کے احترام میں چند سال تک سیالکوٹ کے ضلع کی کچہری میں سرکاری ملازمت میں بھی گذارنے پڑے۔ لیکن اس سے بھی آپ کی دنیوی کاموں میں دلچسپی نہ بڑھی بلکہ اس ملازمت کے دوران میں جب آپ کو دنیوی ماحول کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ تو زمانہ کے عیوب و نقائص نمایاں طور پر آپ کے سامنے آگئے جن کی اصلاح اور درستی آپ کے خداداد مشن کی آئندہ زندگی میں ایک ضروری حصہ بنا۔ سیالکوٹ میں ملازمت کے چند سال میں اگرچہ آپ نے نہایت محنت۔ قابلیت اور دیانتداری سے اپنے مفوضہ کام کو سرانجام دیا۔ لیکن آپ کا دل کبھی بھی اس کام میں نہ لگا۔ اپنی والدہ کی وفات پر آپ ملازمت چھوڑ کر واپس قادیان تشریف لے آئے اور کتب کے مطالعہ، غور و خوض اور یاد الہٰی میں مصروف ہوگئے۔ اس دوران میں آپ کے والد صاحب نے آپ کو ان مقدمات کی پیروی کے لئے بھی لگانا چاہا۔ جو انہوں نے خاندانی جائیداد کی بحالی کے لئے دائر کئے ہوئے تھے لیکن وہ آپ کے اندر اس کام کے لئے کوئی دلچسپی پیدا نہ کر سکے

حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کے والد ماجد کی وفات ۱۸۷۶ء میں ہوئی۔ یہی وہ وقت تھا جب آپ کو خدا تعالےٰ کی طرف سے الہام اور کلام کا شرف بخشا گیا۔ پہلے والد کی وفات کی خبر خدا کی طرف سے دی گئی۔ اور پھر جب اس اطلاع سے آپ کو بشریت کے تقاضہ سے ایک گونہ پریشانی اور فکر لاحق ہوا۔ تو خدا تعالےٰ نے کا پرسرور اور اطمینان بخش کلام ان الفاظ میں نازل ہوا کہ

اليس الله بكافٍ عبده

یعنی "کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں"۔ یہی وہ الفاظ تھے جو آپ کی آئندہ زندگی میں تمام امیدوں کا سہارا اور دکھ درد کا مداوا بنے۔

دوسری شادی

۱۸۸۴ء میں خدائی منشاء کے ماتحت آپ کی دوسری شادی حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی رض کے ساتھ ہوئی۔ جس سے آپ کے ہاں موعود و مبشر اولاد پیدا ہوئی جو خدا تعالےٰ کے وعدوں کے مطابق آج بھی دنیا کے لئے باعث ہدایت و نور ہے۔ (آپ کی پہلی شادی پندرہ سولہ سال کی عمر میں اپنے خاندان میں ہی ہوئی تھی جس سے دو فرزند پیدا ہوئے)

مشن کا آغاز

۱۸۸۹ء میں آپ نے خدائی منشاء کے ماتحت اپنے مشن کا باقاعدہ آغاز کیا اور اپنی جماعت کا نام "احمدیہ جماعت" رکھا۔ علیحدہ نام رکھنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے ماننے والے دوسرے مسلمانوں سے جو کئی طرح کی اعتقادی اور عملی کمزوریوں میں مبتلا ہیں نمایاں اور ممتاز ہو جائیں اور اس اعلیٰ تعلیم اور عمدہ اخلاق پر پختہ ہو جائیں جو آپ ان میں راسخ کرنا چاہتے تھے۔

اس کے ایک سال بعد آپ نے یہ دعوےٰ بھی کیا کہ آپ مسیح موعود اور مہدی ہیں یعنی مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی پیشگوئی آپ کی ذات میں پوری ہوئی ہے۔ اور مہدی کی پیشگوئی بھی آپ کے وجود میں پوری ہوئی ہے۔ آپ نے اس بات پر دلائل کے ساتھ زور دیا کہ مسیح اسرائیلی آسمان پر نہیں گئے بلکہ وفات پا چکے ہیں اور ان کی آمد ثانی سے یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص ان کی صفات اور خو بو لے کر ظاہر ہو۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ دراصل مسیح موعود اور مہدی دونوں ایک ہی وجود ہیں علیحدہ علیحدہ نام مختلف صفات کے لئے رکھے گئے ہیں۔

آپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مذہب کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں" آپ نے بعض مسلمانوں کے اس عقیدہ کی تردید کی کہ مہدی کی آمد پر لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا جائے گا۔ آپ نے اس بات کو پیش فرمایا کہ جبر سے کوئی شخص مخلص نہیں بن سکتا ہے۔ اور منافق کا درجہ ایک نہ ماننے والے سے بھی بدتر ہے۔

آپکی تعلیم کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے تمام مذاہب کے ساتھ رواداری اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اور دوسرے مذاہب کے پیشوایان کی عزت و تکریم کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور قرآن کریم کی اس ہدایت کو خاص طور پر اجاگر کیا کہ ہر قوم اور ملک میں ہادی و رہنما خدا تعالےٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ اسی اصل کے پیش نظر آپ نے سری کرشن جی۔ سری رامچندر جی۔ مہاتما بدھ، حضرت زرتشت۔ حضرت کنفیوشس وغیرہ انبیاء و اوتاروں کو سچا راستباز اور پاکباز قرار دیا۔

آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ یہ سب پیغمبر اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے علاقہ میں آئے اور زمانہ اور حالات کی ضروریات کے مطابق لوگوں کو تعلیم دی۔ اور آخر میں محمد مصطفےٰ بانی اسلام کے ذریعہ سے ایک مکمل اور مستقل تعلیم نازل ہوئی۔ جس میں گذشتہ تمام انبیاء کی تعلیم کا نچوڑ اور خلاصہ موجود ہے اور موجودہ زمانہ میں خدا تعالےٰ کو پانے اور روحانی ترقیات حاصل کرنے کے لئے اسلام ہی کامل اور بہترین ذریعہ ہے۔

آپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ یہ خیال کہ خدا تعالےٰ پہلے اپنے پاک بندوں سے ہمکلام ہوتا تھا لیکن اب نہیں ہوتا ایک بے ہودہ خیال ہے جو مایوسی پیدا کرنے والی بات ہے۔ خدا تعالیٰ کی معرفت اور کامل تعلق کا ذریعہ تو یہی کلام الہٰی ہے آپ نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح گذشتہ زمانہ میں دنیا کی گمراہی ضلالت اور ادھرمی دور کرنے کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے نبی اوتار یار رفارمر آتے رہے اس طرح آئندہ بھی حسب ضرورت اوتار آتے رہیں گے اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے خاتم النبیین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آئندہ آنے والے رسول اور پیغمبر آپ کے روحانی فیض سے اس اعلےٰ مقام کو پہنچیں گے اور بغیر آپ کے توسط کے یہ درجہ نہ مل سکیگا۔

آپ کی تعلیم کا کچھ حصہ آپ کے اپنے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) اے سننے والو! سنو!! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے؟ بس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اس کے تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے۔ جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔" (الوصیت ص۱۰)

(۲) "سمجھ لو کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ تمہیں مدعا کے حصول کے لئے اُن ذرائع سے منع نہیں کیا جاتا جو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مہیا کئے ہیں۔ مگر وہ جو خدا کو چھوڑتا ہے اور محض مادی اشیاء پر اعتماد کرتا ہے وہ اُس خدا کے ساتھ اور کو شریک ٹھہراتا ہے جس پر ہمارا کلی بھروسہ ہونا چاہیئے"!

(۳) "یہ مت خیال کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور روح القدس اب اُتر نہیں سکتا بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اُتر چکا۔ قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے جس دین میں وحی الہٰی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے۔ اور خدا اس کے ساتھ نہیں۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ مگر روح القدس اُترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو تا وہ ان میں داخل ہو۔ تم اُس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے ہو جب کہ اس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان! اُٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے۔ تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائے گا۔ جبکہ خدا نے دنیا کے فیضوں کی راہیں اس زمانہ میں تم پر بند نہیں کیں بلکہ زیادہ کیں تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں جن کی اس وقت تمہیں ضرورت تھی وہ تم پر اس نے بند کر دی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کھولا گیا ہے"۔ (کشتی نوح ص۲۲، ۲۳)

(۴) "تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے۔ جس نے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا۔ وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔ ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کی طرح روشن وحی پائی۔ ہم نے اسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے۔ جس کو ہم نے پایا۔ کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے جس کو ہم نے دیکھا"۔ (کشتی نوح ص۱۸، ۱۹)

(۵) "اس کے بندوں پر رحم کرو۔ اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو۔ اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو۔ اور کسی کو گالی مت دو۔ گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر وہ اندر سے بھیڑئیے ہیں۔ بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں۔ سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے۔ جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو۔ نہ ان کی تحقیر۔ اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو۔ نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل۔ اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے ان پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ۔ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہو جاؤ۔ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو۔ اور اس کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی۔ اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا"۔ (کشتی نوح ص۱۲)

آپ کا علمی معجزہ

حضرت احمد علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اسّی سے زیادہ کتب لکھیں جو مذہبی دنیا میں عظیم الشان انقلاب کا باعث بنیں۔ ان کتب میں سے دو درجن کے قریب عربی کتابیں بھی ہیں جو آپ نے خاص خدائی تائید اور نشان سے لکھی ہیں۔ آپ نے اپنی بعض کتابوں کے جواب دینے یا ان کے مقابل پر کتابیں لکھنے والوں کے لئے ہزارہا روپیہ انعامات بھی رکھے۔ لیکن دنیا کے کسی عالم کو آپ کے مقابل پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

آپ نے اس بات کو تحدی سے پیش کیا کہ آپ کو:-

(۱) عربی زبان میں اعجازی قوت دی گئی ہے اس میں کوئی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۲) آپ کو قرآن کریم کے حقائق و معارف بیان کرنے میں خاص خدائی تائید حاصل ہے اس میں آپ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۳) قبولیت دعا کا آپ کو نشان دیا گیا ہے جس میں کوئی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۴) خدا تعالیٰ سے آئندہ زمانہ کی غیب کی خبروں کا نشان آپ کو دیا گیا ہے جس میں آپ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آپ کی مخالفت اور کامیاب زندگی

خدائی سنت کے مطابق کہ اس کے پیارے ہمیشہ دکھ دیئے جاتے اور اہل دنیا کی نگاہ میں مردود قرار پاتے ہیں۔ آپ کی بھی لوگوں نے سخت مخالفت کی۔ اور ہر طبقہ نے کی۔ آپ کے خلاف مقدمات دائر کئے گئے۔ کفر کے فتوے لگائے گئے آپ کو واجب القتل قرار دیا گیا۔ غرضیکہ انواع و اقسام کی تکالیف اور مصائب کا شکار بنایا گیا۔ لیکن آپ نے پوری جوانمردی اور بہادری سے مقابلہ کیا اور ایک کامیاب اور کامران زندگی گذار کر ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو وفات پائی۔ یہ بات ذکر کر دینے کے لائق ہے کہ اہل ہند کے نام آپ نے جو آخری پیغام دیا۔ وہ "پیغام صلح" کے نام سے شائع شدہ ہے اس میں آپ نے ہندوستان کی مختلف قوموں اور مذاہب کو باہمی صلح و اتحاد سے رہنے کی تلقین کی اور اختلاف اور جھگڑوں کے نقصانات کا ذکر کیا۔ افسوس ہے کہ اہل ملک نے اس پیغام پر پوری طرح عمل نہ کیا۔ اور نقصان اٹھایا۔

خلافت کا قیام

آپ کی وفات کے بعد آپ کی اپنی پیشگوئی کے مطابق کہ جب میں چلا جاؤں گا تو تم میں قدرت ثانیہ خلافت کے رنگ میں ظاہر ہوگی۔ آپ کے پہلے جانشین حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضؓ جو مہاراجہ جموں و کشمیر کے شاہی طبیب بھی رہ چکے تھے۔ منتخب ہوئے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی وفات پر چھ سال بعد ہوئی آپ کے دوسرے جانشین جماعت کے موجودہ امام سیدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ منتخب ہوئے۔ آپ حضرت بانی سلسلۂ احمدیہ کے موعود فرزند بھی ہیں۔

وہ روح اور قوت علیہ جو حضرت بانی سلسلہ نے اپنے ماننے والوں میں پیدا کی تھی بڑھتی جاتی ہے اور آپ کی جماعت دن بدن دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنی تبلیغی جد و جہد اور سرگرمیوں اور روحانی تاثیرات سے پھیلتی جا رہی ہے۔ اور اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں ایک بڑی تعداد میں احمدیہ مشن قائم ہو چکے ہیں اور سینکڑوں مبلغین اور پرچارک نہایت مستعدی سے اور قربانی سے حضرت احمد علیہ السلام کے مشن کو پھیلا رہے ہیں۔ اس وقت کئی ممالک کے با اثر اور معزز لوگ جن میں وزراء بھی شامل ہیں اس پیغام کو قبول کر کے آپ کی روحانی تاثیرات کے قائل ہو چکے ہیں اور وہ دن دور نہیں جبکہ آپ سے کیا ہوا خدا کا وعدہ بھی پورا ہوگا جس کے نتیجہ میں بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہ آپ کی غلامی میں فخر محسوس کریں گے اور آپ کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ نے بار بار مجھے خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دیگا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو زمین میں پھیلائیگا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کریگا۔ میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کرینگے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رو سے سب کا منہ بند کر دینگے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھیگا اور پھولیگا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائیگا بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اُٹھا دیگا اور اپنے وعدہ کو پورا کریگا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا میں تجھے برکت پر برکت دونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے سو اے سننے والو ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا"۔

افسوس ہے، کہ عدم گنجائش کی وجہ سے اس مضمون کے بہت سے پہلو چھوڑنے پڑے ہیں۔ بالخصوص بانی سلسلہ احمدیہ کی سیرت کا پہلو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

از مکرم مولوی عبدالقادر صاحب دانش مولوی فاضل

حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو بیت اللحم میں حضرت مریم کے بطن سے معجزانہ طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی زندگی ایک چھوٹی سی بستی ناصرہ میں گذری۔ باوجود معجزانہ اور بن باپ پیدائش کے آپ کی زندگی میں آپ کو حضرت مریم کے خاوند یوسف نجار کی طرف منسوب کیا جاتا رہا۔ آپ کی والدہ جو ایک راسخ العقیدہ اور مخلص یہودیہ تھیں نے آپ کی تربیت پورے طور پر یہودی قوانین و رسومات کے ماتحت کی۔ آپ کی زندگی کے حالات نئے عہد نامہ کی دو کتابوں متی اور لوقا میں زیادہ تفصیل سے مذکور ہیں۔

جب آپ کی عمر تیس سال کی ہوئی اُس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام جو آپ کے خالہ زاد بھائی تھے نے مذہبی۔ روحانی احیاء کی ایک تحریک شروع کی تھی جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ پیش کیا تو آپ کو قوم بنی اسرائیل نے اس بناء پر جھٹلا دیا۔ کہ مسیح کی آمد سے پہلے ایلیا نبی کا جو رتھ سمیت آسمان پر جا چکا ہے واپس لوٹنا ضروری ہے۔ لیکن یہ آپ کے مخالفین کی ناسمجھی اور مذہبی استعارات سے ناواقفی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے منکرین پر یہ واضح کیا کہ یہ ایک مذہبی استعارہ ہے۔ اور حضرت یحییٰ جو آپ سے پہلے مبعوث ہو چکے ہیں اپنی صفت اور خو بُو کے اعتبار سے ایلیا نبی کے قائم مقام اور مثیل ہیں۔ اور آپ کا اُن کی بعثت کے بعد ظاہر ہونا کسی سابقہ پیشگوئی کے خلاف نہیں۔

جب آپ نے وعظ و نصیحت کا کام شروع کیا۔ اور تائید الٰہی سے بعض معجزات دکھلائے تو بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آ گئے۔ یہود آپ کی کامیابی کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور یہودی، فقیہی اور فریسی جو انبیاء کی روحانی گدی پر قابض تھے۔ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ یہ گدی اُن سے چھن کر کسی اور شخص کے پاس چلی جائے۔ لہٰذا انہوں نے ان پر روم کی حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے کا الزام لگا کر پیلاطیس کی عدالت میں آپ کو پیش کیا اور پھانسی کی سزا کا حکم حاصل کیا۔ صلیب کی سزا دینے سے ان کا یہ بھی مقصد تھا کہ یہودی روایات کے مطابق اس کو ملعون ثابت کریں۔ اور چونکہ ملعون شخص خدا کا مقرب اور نبی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اس حیلہ سے انہوں نے نعوذ باللہ آپکو جھوٹا ثابت کرنا چاہا۔

عیسائی حضرات کے نزدیک بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام صلیب پر فوت ہوئے اور ملعون بھی ہوئے۔ لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے نہ تھے۔ بلکہ دنیا کے لوگوں کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر ہوئے۔ ان دونوں خیالات کے مقابل بر احمدی مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ صلیب پر چڑھائے گئے لیکن زندہ ہی اُتار لئے گئے۔ آپ کو زخموں کے علاج سے جب شفا ہو گئی تو آپ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے جو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تبلیغ کرنے سے پورا ہونا تھا فلسطین سے نکل کر عراق۔ ایران۔ افغانستان ہوتے ہوئے کشمیر آ گئے۔ جہاں بنی اسرائیل کے کئی قبیلے آباد تھے۔ اس طرح لمبی سیاحت سے آپ مسیح بھی کہلائے۔ اور یہاں پر بڑی لمبی عمر پا کر ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انجیل مقدس کی بعض آیات سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صلیب پر فوت نہیں ہوئے اول تو اس موقعہ پر آپ کی نہایت درد اور عاجزی سے نکلی ہوئی دعا کہ ایلی ایلی اسبقتنی اور موت کا پیالہ ٹلا دینے کی درخواست ایسی نہ تھی جو خدائی قانون کے ماتحت رد کی جاتی۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ جو لوگ معجزہ طلب کرتے ہیں ان کو سوائے یونس نبی کے معجزہ کے اور کوئی معجزہ نہ دکھلایا جائے گا بھی ثابت کرتا ہے کہ جس طرح یونس نبی تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی تین دن اور تین رات زندہ ہی قبر میں جو مچھلی کے پیٹ کے مشابہ تھی رہنا تھا۔ جو اسی صورت میں درست ہو سکتا تھا کہ آپ صلیب سے زندہ اتارے جا کر مکان نما قبر میں داخل کئے جاتے بہر حال عقلی۔ نقلی اور تاریخی شواہد سے اس امر کے متعلق بہت سے دلائل مہیا ہوتے ہیں کہ آپ کی وفات صلیب پر نہیں ہوئی بلکہ آپ لمبی عمر پا کر کشمیر میں طبعی موت مرے۔

آپ کی تعلیم میں نمایاں پہلو عفو کا ہے جس کی بڑی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حالات اور خاص تقاضوں کے ماتحت جو سخت تعلیم دی تھی نتیجتاً کچھ عرصہ بعد بنی اسرائیل بہت درشت۔ سخت گیر اور کینہ پرور بن گئے۔ اور ان میں نرمی۔ ملائمت اور عفو و درگذر کا نام تک نہ رہا۔ خدا تعالیٰ نے اس برائی اور سختی کو دور کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ عفو اور درگذر کی تعلیم دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی آگے کر دے۔ اگر کوئی ایک میل بیگار لے جائے تو دو میل ساتھ چلا جا۔ اسی طرح اگر کوئی کرتہ مانگے تو چوغہ بھی ساتھ دے۔

یہ تعلیم اگرچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ کے حالات کے عین مطابق تھی۔ لیکن اس کو عالمگیر نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ بسا اوقات ایک شریر النفس اپنی شر انگیزی اور ظلم میں اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس پر نرمی عفو و درگذر کوئی اثر نہیں کر سکتا اور اس کے ظلم کا مقابلہ نہ کرنا ظلم کو بڑھانے اور مظلوموں اور نیک لوگوں کو تباہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے ایسے مواقع پر جبکہ حالات کے تقاضہ اور فطرت انسانی کے میلانات کی وجہ سے مقابلہ کرنا اور ظلم کو مٹانا ضروری ہو جاتا ہے ایسی تعلیم کام نہیں دے سکتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی بنا ڈالی وہ اگرچہ ایشیا یعنی فلسطین سے شروع ہوا لیکن اس کی ترقی اور وسعت زیادہ تر مغربی ممالک میں ہوئی۔ اور آج بھی مغربی ممالک ہی اس مذہب کی نمائندگی مشرق میں بھی کر رہے ہیں۔ اور ایشیا۔ اور افریقہ کے ممالک میں زیادہ تر عیسائی تبلیغی مشن امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کے ہی قائم شدہ ہیں۔

عیسائیوں کی مقدس کتاب بائیبل ہے جس میں انتالیس کتابیں پرانے عہد نامہ کی شامل ہیں۔ اور ستائیس کتب نئے عہد نامہ کی ہیں۔ نئے عہد نامہ میں اگرچہ حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کے ابتدائی شاگردوں کے حالات، تجربات اور تعلیمات ملتی ہیں لیکن یہ آپ کے یا آپ کے حواریوں کے زمانہ کے وقت ضبط تحریر میں نہیں آیا۔ بلکہ بہت بعد میں لکھا گیا ہے اور زمانہ مابعد میں بھی اس کے تراجم میں بہت سی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے حین حیات میں جو وعظ و نصیحت اور تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی۔ اُس کا مشہور نمونہ اُس وعظ میں پایا جاتا ہے جو "پہاڑی وعظ" کے نام سے موسوم ہے۔ اگرچہ اُس زمانہ میں عوام کی توجہ کو جذب کرنے کے لئے اس وعظ و نصیحت نے بہت کام کیا لیکن نئے مذہبی محققین و مفکرین نئے زاویۂ نگاہ سے اس میں بہت سی خامیاں پاتے ہیں۔

آپ کا یہ بھی دستور تھا کہ اپنے مواعیظ میں تمثیلوں سے گفتگو فرماتے تھے۔ چنانچہ یونس نبی کی تمثیل کا ذکر اوپر آ چکا ہے ان ہی تمثیلات کی روشنی میں آپ کے ان معجزات اور نشانات کو بیماروں کو اچھا کرنے اور پاگلوں کو ہوش و حواس بخشنے اور کوڑھیوں کو صحیح و سالم کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کے رنگ میں مذکور ہیں سمجھنا چاہئے۔ دراصل یہ سب روحانی استعارات اور تمثیلات تھیں ورنہ خدا کے انبیاء ایلوپیتھک۔ ہومیوپیتھک وغیرہ طریق علاج کی مہارت پیدا کرنے کے لئے مبعوث نہیں ہوتے۔

آجکل کی عیسائی دنیا کا اکثر حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتا ہے۔ یہودی جو آپ کے منکر و دشمن ہیں۔ آپ کو اور آپ کی پیدائش کو مشکوک اور آپ کو ناراستباز خیال کرتے ہیں۔ مسلمان آپ کو خدا کا پیغمبر راستباز اور خدا کے احکام پر عمل کرنے اور کرانے والا خیال کرتے ہیں۔

جن لوگوں کا ایمان آپکی الوہیت پر ہے وہ بھی یہ یقین کرتے ہیں کہ آپکی زندگی میں آپکے وجود میں ایسے عادات و نشانات نظر آئے جو آپکی انسانیت کا بین ثبوت تھے مثلاً جب آپ سفر اختیار کرتے اور آپکو تھکاوٹ محسوس ہوتی۔ گرمی کی شدت میں آپ پیاس محسوس کرتے۔ آپ کھاتے۔ پیتے اور سوتے تکالیف و مصائب میں آپ کے آنسو بھی جاری ہو جاتے۔ آپ دوسرے انسانوں سے دوستانہ تعلقات بھی رکھتے۔ آپ میں حب الوطنی کا جذبہ بھی تھا قانون نیچر کے گوناگوں مثلاً پھول۔ گھاس۔ پرندے موسمی تغیرات سے بھی لطف اندوز ہوتے۔

آپ کا یہ قول کہ:۔

"لومڑیوں کے بھٹ ہیں پرندوں کے لئے گھونسلے مگر ابن آدم کے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں" نیز یہ قول کہ کوئی نبی بے عزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں آپکے خلاف اُس مخالفت کا آئینہ دار ہے جو آپ کے زمانہ میں آپ کی قوم نے کی۔ بےشک یہود نے آپ کو صلیب پر چڑھا کر اور آپکے خلاف ذلیل ترین الزام تراشی کر کے یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے آپکو اور آپکے مشن کو ہمیشہ کیلئے

کوئی مذہب بھی اپنی اصلیت کی رُو سے جھوٹا نہیں

از حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام

"خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ دنیا میں جس قدر نبیوں کی معرفت مذہب پھیل گئے ہیں اور استحکام پکڑ گئے ہیں۔ اور ایک حصہ دنیا پر محیط ہو گئے ہیں اور ایک عمر پا گئے ہیں اور ایک زمانہ اُن پر گذر گیا ہے۔ ان میں سے کوئی مذہب بھی اپنی اصلیت کی رو سے جھوٹا نہیں۔ اور نہ اُن نبیوں میں سے کوئی نبی جھوٹا ہے۔"

(تحفہ قیصریہ صہ)

از مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل قادیانی
انچارج دار المبشرین قادیان

چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندو قوم میں چونکہ دنیوی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہبی سستی و کاہلی اور غفلت شعاری کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگے تھے۔ اور ویدوں کے زمانہ کی سادگی اور شرافت نفس اور برہمنوں کی خودداری، خلوص اور نیکی میں تبدیلی واقع ہو گئی تھی اور برہمن آہستہ آہستہ تمدنی اور سیاسی وغیرہ امور پر قابض ہو کر دوسروں کو ذلیل سمجھنے لگے تھے۔ اور انہوں نے مذہبی امور اور رسومات کو ایک معمہ کی شکل دیکر ناقابل عمل صورت دے دی تھی۔ روحانیت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اور اہل ہند بالخصوص برہمن اپنی آبائی بڑائی اور بزرگی پر بیجا تفاخر کرنے لگے تھے۔ یگیوں کو دل کے بہلانے کا ایک مشغلہ تصور کرتے تھے۔ اور قربانیوں کا رواج اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ جانوروں کی بجائے بعض اوقات انسانوں کی بھی قربانی کر دی جاتی تھی۔ شودروں کی تکالیف انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ کھشتری۔ ویش اور شودر ان کے مظالم سے تنگ آ کر ان کے خلاف ہو رہے تھے۔ انسانی رواداری اور ہمدردی کا صرف نام باقی رہ گیا تھا۔ مذہب میں نفسانیت نے کافی دخل پا لیا تھا۔ ایسے حالات میں ہندو سوسائٹی میں انقلاب برپا کرنے کے خیالات زوروں پر تھے۔ کہ ہندوستان میں مذہبی مذہب کی اصلاح و تبدیلی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مہاتما بدھ جیسے انسان کو کھڑا کر دیا۔ اس نے بہت حد تک ہندو سوسائٹی میں اصلاحات کر کے اس میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ بہت سی برائیوں کا ازالہ کر کے اہل ہند کو راہ راست پر لایا۔

مہاتما گوتم بدھ راجہ شدھودن کے اکلوتے لڑکے تھے۔ اور شاہی خاندان کے نونہال تھے۔ یہ خاندان نیپال کی سرزمین میں آباد تھا۔ چونکہ وہ راجہ کے بیٹے تھے اس لئے گو یہ خوب ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی۔ مگر پھر بھی جوانی کے ہی ایام میں دنیا کے دکھ درد رنج و الم اور تکالیف و مصائب کا احساس قدرتی طور پر ان کے دل میں موجزن تھا۔ ان کو ہر وقت اس بات کا دھیان لگا رہتا تھا۔ کہ کس طرح دنیوی مصائب و آلام سے نجات حاصل ہو۔ اور دوسرے کی تکالیف اور ان کے غم کو دیکھ دیکھ کر کراہتے رہتے تھے۔ راجہ نے ان کی یہ حالت دیکھکر ان کی شادی کر دی۔ تاکہ ان کا دل اس طرف سے ہٹ کر دوسری طرف لگ جائے۔ اور یہ خیال ان کے دل سے جاتا رہے۔ اب اگرچہ ان کے ہاں ایک لڑکا بھی پیدا ہو چکا تھا۔ جسکی وجہ سے کافی حد تک ان امور کی طرف سے ان کی توجہ دوسری طرف منتقل ہو سکتی تھی۔ مگر یہ اب ایسا نہ تھا۔ جیسے ترشی اتار دے۔ ازدواجی زندگی اور اولاد کی پیدائش۔ اور ہر قسم کی مسرتوں کے سامان اور عیش و نشاط اور آسودہ حالی اور ناز و نعمت کی زندگی مہاتما بدھ کے دل پر کچھ اثر نہ کر سکی۔ اور وہ اپنے انہی خیالات میں مگن رہے۔ انہیں غریبوں کی بیکسی کے خیالات اور تصورات نے زیادہ سے زیادہ دنیا سے متنفر کر دیا۔ کہ دنیا کی حالت زار انہیں ہر وقت تڑپائے رکھتی۔ اور یہ کانٹا ہر وقت ان کے دل میں کھٹکتا رہتا۔ اور انہیں پریشان حال رکھتا تھا۔

مہاتما بدھ کو کامل یقین تھا۔ کہ شاہی محلات کی زندگی اور عیش و آرام کسی صورت میں بھی انہیں اس بارے میں تسکین نہیں دے سکتا۔ چنانچہ آپ نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ وہ دنیا کو ترک کر دیں۔ اور وہ اپنے گھر والوں، بیوی اور اکلوتے بچے کو غافل پا کر رات کے وقت گھر سے نکل گئے۔ اور جنگلوں کی بادیہ پیمائی اختیار کر لی۔ بڑے بڑے پنڈتوں اور مہاتماؤں کے پاس بھی گئے۔ ان سے علوم سیکھے۔ فلسفہ میں مہارت پیدا کی۔ معرفت کی باتیں سنیں۔ مگر کوئی چیز ان کے دل کو تسکین نہ دے سکی اور من کی من ہی میں رہی۔ اور وہ جلن بجائے کم ہونے کے بڑھتی چلی گئی۔

چنانچہ تسکین و اطمینان قلب کی خاطر انہوں نے شدید ریاضتوں اور فاقہ کشیوں کو اختیار کرنے کا تہیہ کر لیا کافی عرصہ تک انہوں نے تپسیا کی۔ مگر جب اس کے ذریعہ سے بھی دل کی پیاس نہ بجھی۔ تو فاقہ کشی ترک کر دی۔ اسی ادھیڑ بن میں مارے مارے جنگلوں میں پھرتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن پھرتے پھراتے جنگل میں گیا کے مقام پر ایک بڑ کے درخت کے نیچے اس سوچ بچار میں محو تھے۔ کہ رحمت الٰہی نے جوش مارا۔ اور ان کو خدا تعالیٰ کا ایک جلوہ دکھائی دیا جس سے دل منور ہو گیا۔ نور اطمینان قلب جسکی تلاش میں وہ حیران و سرگرداں تھے نصیب ہوا۔ ان کو خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کا گیان حاصل ہو گیا اور یہ معلوم ہوا۔ کہ مخلوق کی بھلائی اور ہمدردی اور خیر خواہی میں ہی ہر قسم کی نجات ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ تعلیم پا کر انہوں نے اس کا پیغام دنیا کو پہنچانا شروع کر دیا۔ بدھ کے اس سادہ وعظ کا لوگوں پر خاص اثر ہوا۔ یہ وعظ انہوں نے بنارس کے مقام اور اس کے گرد و نواح میں شروع کیا۔ اور لوگوں کو سادہ تعلیم دینی شروع کی۔ ان کی تعلیم کا ایسا اثر ہوا۔ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک گروہ ان کے گرد جمع ہو گیا۔ جسے انہوں نے تعلیم دیکر مبلغ (بھکشو) بنا دیا۔ اور وہ ملک کے تمام اطراف میں ان کے مذہب کا پرچار کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے بنارس کا راجہ ان کا معتقد بنا۔ اور وہ ان کے مذہب کی ابتدائی ترقی کا موجب ہوا۔

بعد ازاں مہاتما بدھ واپس اپنے وطن کپل وستو گئے جہاں اپنے رشتہ داروں سے ملے۔ ان کو نئی تعلیم سنائی۔ اور ان کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ ان کی زندگی میں ہی بڑے بڑے راجے ان کی تعلیم کو قبول کر کے ان کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

آپکی تعلیم جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ سادہ اور مشترک تعلیم تھی۔ جو ان کے جوشیلے پرچارکوں کے ذریعہ جلد ہی سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ اور پھر ہندوستان سے باہر برما۔ چین۔ جاپان۔ تبت اور لنکا وغیرہ ممالک میں بھی جا پہنچی۔ اگرچہ بعد میں بدھ مذہب پر بھی زوال کا زمانہ آیا۔ مگر پھر بھی بدھ مذہب کے پیرو کافی تعداد میں دنیا کے مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ اور کروڑوں لوگ اس مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا اپنے لئے فخر کا موجب سمجھتے ہیں۔

میں بتا چکا ہوں۔ کہ بدھ مذہب کی تعلیم سادہ ہے۔ اور بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کا اصل باعث یہ ہے۔ کہ وہ مذہب کی بالکل معمولی اور ابتدائی۔ آسان اور مشترک تعلیم ہے۔ جو قریباً قریباً ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔ جس کے ساتھ اور بہت سی باتیں ملی ہوئی ہیں۔ مگر چونکہ بدھ نے ان بعض سادہ باتوں پر خاص طور پر زور دیا۔ فلسفہ کی باریک اور پیچیدہ باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ اس لئے عام فہم ہونے کی وجہ سے نیز عملی لحاظ سے بالکل آسان ہونے کی وجہ سے وہ عام لوگوں کی نظر میں خوب پسندیدہ سمجھی گئی۔

مہاتما بدھ کی نظر میں ویدوں کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔ وہ ان باتوں سے بچتے اور پرہیز کرتے تھے۔ جو مذہبی جھگڑوں یا رسم و رواج سے متعلق تھیں۔ بدھ کے خیال میں نجات کا ذریعہ صرف نیک اعمال تھے۔ کوئی دیوی یا دیوتا ان کے نزدیک نجات کا ذریعہ نہ ہو سکتا تھا۔

بدھ لوگوں کو شہوانی لذات و خواہشات میں پڑنے سے روکتے تھے۔ نیز وہ اپنے تجربہ کے مطابق زیادہ ریاضتوں کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ بلکہ کہتے تھے۔ کہ نجات کے لئے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بلا وجہ اذیتوں اور تکالیف میں ڈالنا بے فائدہ ہے۔ انہوں نے بنی نوع انسان کی نجات کے لئے چند اصول پر عمل کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ اور ان کے متعلق بھی میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔

مہاتما بدھ کے پیش کردہ اصول حسب ذیل ہیں۔
راست ادراک۔ راست عزم۔ راست گفتار۔ راست کردار
راست سعی۔ راست ریاضت۔ راست سرور۔

مبارک یوم سیرت پیشوایان مذاہب کا

نتیجۂ فکر جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل لاہور۔

پیشوایانِ مذاہب پر سلام
چاہیئے ان کا نہائیت احترام

رام جی۔ کرشنا۔ محمد مصطفےٰ
عیسیٰ و موسیٰ رسولانِ عظام

اس زمانہ میں گورو نانک ولی
النبی مرزا غلام احمد امام

اپنی اپنی قوم کے ہیں رہنما
ان پہ صد ہا رحمتیں لاکھوں سلام

آؤ ان کی مل کے سب مہما کریں
ایک ہو کر نیک بن جائیں تمام

اور وہ مذہب کریں ہم اختیار
جس میں ہو توحید شفقت بالعوام

ہر صداقت پائی جائے بالدلیل
دے حیاتِ نو کا ہر عالم میں کام

اپنے مولیٰ سے ہو مستحکم نیاز
ہو سکیں اس کے ذریعے ہمکلام

اپنی اپنی روشنی لے آئیں سب
ہو ستاروں میں نمایاں بلا ہما تام

امن و صلح و آشتی پھیلائیں ہم
ایک ہی جھنڈے تلے آجائیں ہم

راست حیات ۔ اس جگہ راست سے مراد معتدل ہے۔ جیساکہ پہلے گذر چکا ہے ۔ حضرت بدھ کی پہلی زندگی شاہانہ اور انتہائی عیش وآرام کی زندگی تھی ۔ مگر اس کے بعد انہوں نے انتہائی طور پر فقیرانہ اور درویشانہ زندگی اختیار کرلی ۔ انہوں نے انتہائی طور پر اپنے آپ کو ریاضتوں میں ڈالدیا ۔ اور فاقہ کشی شروع کردی ۔ جس سے ان کا جسم نڈھال ہوگیا ۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ریاضتوں کے آخری اوقات میں روزانہ صرف ایک چاول پر گذارا وقات کی ۔ جس طرح بعض مسلمان صوفیاء چلہ کشیوں میں صرف جو کے ایک دانہ پر قناعت کیا کرتے تھے ۔ گویا ایک طرف انتہائی عیش وآرام اور تنعم کی زندگی تھی ۔ اور اس کے بعد انتہائی قناعت کی زندگی اختیار کرلی ۔ مگر جب اس سے ان کا گوہر مقصود حاصل نہ ہوا ۔ تو انہوں نے ایسی کڑی ریاضتوں کو بے فائدہ اور مضر صحت خیال کرکے موقوف کردیا ۔

کہا جاتا ہے ۔ کہ جب انہیں خدا کی معرفت حاصل ہوئی ۔ تو انہوں نے ایک دن ایک سارنگی کشف میں دیکھی ۔ جس کے تین تار تھے ۔ جس میں سے ایک زیادہ کسا ہوا تھا ۔ اور حد سے زیادہ سخت تھا ۔ دوسرا ڈھیلا اور حد سے زیادہ نرم تھا ۔ تیسرا نہ ڈھیلا تھا نہ سخت بلکہ اوسط درجہ کا تھا ۔ اس سے ان کی توجہ اس طرف پھر گئی ۔ کہ ہر معاملہ میں افراط وتفریط سے بچکر میانہ روی اختیار کرنا انسان کے لئے ضروری ہے ۔ اگر وہ اس بات کو مدنظر نہ رکھیگا ۔ تو وہ اپنے مقصد سے بھٹک جائیگا ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لئے میانہ روی اور اختصار کو اختیار کرلیا ۔

بدھ کی تعلیم کے اصول جو قابل عمل سمجھے جاتے ہیں حسب ذیل ہیں :۔

۱ ۔ مہاتما بدھ نے آہنسا پر بڑا زور دیا ہے یعنی کسی جاندار کو خواہ وہ انسان ہو یا حیوان ۔ چرند ہو یا پرند ۔ خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنے قول یا فعل سے جسمانی یا روحانی تکلیف یا دکھ یا نقصان نہ پہنچایا جائے ۔

۲ ۔ بدھ نے کرم پر بہت زور دیا ہے ۔ یعنی انسان کی عملی زندگی بہتر ہونی چاہیئے ۔ اس کے اخلاق اعلیٰ ہوں ۔ اور اس کا چال چلن پسندیدہ ہو ۔ پھر گیان کی ضرورت ہے ۔ نہ بھگتی کی ۔ انسانی زندگی کے مقصد کے حصول اور اس میں کامیابی کے لئے اسے صرف اعلیٰ عملی زندگی کی ضرورت ہے ۔ عارف بدھ نے اس بات پر بڑا زور دیا ۔ جس میں دنیا کی بھلائی اور بہبودی ہے ۔ کہ جب تک انسان اعمال بد سے نجات حاصل نہ کرے وہ حقیقی خوشی اور اطمینان اور خدا کا قرب حاصل نہیں کرسکتا ۔

بعض لوگ ان کی طرف اواگون یعنی تناسخ کا عقیدہ بھی منسوب کرتے ہیں ۔ مگر یہ بات غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہے ۔ جس کا ثبوت کوئی نہیں معلوم ہوتا ہے ۔ کہ چونکہ بدھ اس بات کا قائل تھا کہ نجات نیک کاموں کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوسکتی ہے ۔ اور انسان نیک اعمال کے نتیجہ میں ہی ابدی راحت و سکون پاسکتا ہے ۔ اور جب تک اُسے ابدی راحت حاصل نہ ہولے مختلف دکھوں کے ذریعہ سے اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑتی ہے ۔ اس لئے بعض لوگوں نے غلطی سے ان کی طرف اواگون کا مسئلہ منسوب کردیا ہے ۔ حالانکہ اواگون اور مذکورہ بات میں زمین وآسمان کا فرق ہے ۔

اسی طرح مہاتما بدھ نے یہ اصل بھی دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے ۔ کہ انسان کو اس کے اعمال کی جزا سزا ضرور ملیگی ۔ خواہ اس دنیا میں خواہ اگلے جہان میں وہ کسی صورت میں اس سے بچ نہیں سکتا ۔ نہ اس سے محروم رہ سکتا ہے ۔ جیسا کریگا ویسا بھریگا ۔

۳ ۔ حضرت بدھ نے عام فہم اور سادہ رنگ میں اپنی تعلیم کو پیش کیا ہے ۔ جو لوگوں کے ذہنوں میں بآسانی داخل ہوجاتی تھی ۔ انہوں نے فلسفیانہ اور منطقیانہ علوم اور بحثوں سے اجتناب کیا ۔ جو غلط فہمی اور پراگندگی کا موجب ہوسکتی ہیں ۔

۴ ۔ علاوہ ازیں آپ نے تین باتوں پر خاص طور پر زور دیا ہے ۔ اور ان کو اختیار کیا ہے ۔

ا ۔ سچائی اور راست روی ۔

(ب) قومی بہتری اور بہبودی جسے انفرادی بہتریوں پر مقدم رکھا جاتا ہے ۔

ج ۔ وہ تعلیم جو عقل کے مطابق ہو ۔

۵ ۔ حضرت بدھ نے بتایا ہے ۔ کہ دنیا کی زندگی دکھوں کا مجموعہ ہے ۔ اور ان کا جو علاج کیا جاتا ہے ۔ وہ بھی دکھ ہے ۔ انسان کو بھوک لگتی ہے ۔ یہ ایک دکھ ہے ۔ اور اس دکھ کو دور کرنے کیلئے انسان اور کئی قسم کی جدوجہد کرتا ہے ۔ یہ ایک دوسرا دکھ ہے ۔ غرضیکہ دنیا دکھ ہی دکھ ہے ۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ان دکھوں کا اصل سبب اور جڑ انسان کی حرص وہوا اور خواہشات اور لذات نفسانی ہیں ۔ اس لئے ان دکھوں کا صحیح علاج یہ ہے کہ انسان حرص وخواہشات ولالچ کو کم سے کم کرے جہاں تک ہوسکے ان سے بچے ۔ جس قدر وہ ان سے بچیگا ۔ اسی قدر وہ دکھوں سے آزاد ہوجائیگا ۔ انسان جس قدر ان خواہشات وضروریات کو کم کریگا ۔ اسی قدر وہ زیادہ اطمینان اور تسکین پانے کے قابل ہوجائیگا ۔ اور وہ پریشانیوں سے بچ جائیگا ۔ گویا ان کے نزدیک مصائب اور دکھوں سے بچنے کے لئے یہ بے نظیر علاج ہے ۔

۶ ۔ حضرت بدھ نے یہ بھی بتایا ہے ۔ کہ زندگی کے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے دوسرے پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے ۔ بلکہ انسان کو اپنے اوپر بھروسہ رکھنا چاہیئے انسان خود محنت کرے اور خود آگے بڑھنے کی کوشش کرے ۔ اور اپنے ضمیر میں لیمپ اور دل کو خود آپ روشن کرے ۔ کسی دوسرے کا لیمپ اس کے کام نہیں آئیگا ۔ جب تک انسان کا اپنا نفس روشن نہ ہو ۔ دوسرے کی پاکیزگی اور روشنی اسے کوئی نفع نہ دے سکیگی ۔ جب تک انسان خود ہمت نہ کریگا ۔ اور خود کوشش کرکے منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے تیار نہ ہوگا ۔ کوئی دوسرا اسے اس بارہ میں فائدہ نہ پہنچا سکیگا ۔ اور نہ اس کے اندر کوئی تغیر پیدا کرسکیگا ۔

۷ ۔ بعض لوگوں نے مہاتما بدھ کی طرف یہ عقیدہ بھی منسوب کیا ہے ۔ کہ وہ خدا کی ہستی کے قائل نہ تھے ۔ مگر یہ بات ان کے اصولوں کے خلاف ہے ۔ اگر وہ خدا کے منکر ہوتے ۔ تو کوئی وجہ نہ تھی ۔ کہ انہیں اطمینان قلب حاصل ہوتا ۔ اور وہ دنیا کو ایسے اصولوں کی طرف کبھی نہ بلاتے ۔ جن کا تعلق اچھے اخلاق کے ساتھ ہے ۔ اور جو مذہب کی جان ہیں ۔ اس قسم کی باتیں یقیناً عارف بدھ کی طرف بعد میں منسوب ہوگئی ہیں ۔ یا ان کے مخالفین نے جھوٹے الزام کے طور پر ان پر عاید کردی ہیں ۔

مہاتما بدھ کی تمام زندگی کے حالات اور ان کی ساری تعلیم اور اسکی تفصیل کے بیان کا یہ موقعہ نہیں اور نہ اس مضمون میں اس قدر گنجائش ہے ۔ کہ اس میں سب باتیں سما سکیں ۔ آپ کے کچھ عرصہ بعد آپ کے ماننے والوں میں اختلافات رونما ہوئے ۔ مگر اس کے باوجود ان کا مذہب خاص طور پر جلد جلد بڑھا ۔ اور بہت سے ممالک میں پھیل گیا ۔ اور اس نے نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کی ۔ اس کی ترقی اور جلد عروج کی کئی وجوہات ہیں ۔ جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :۔

اول ۔ گوتم بدھ کی اپنی ذاتی قربانی کا بھی اس میں بڑا دخل تھا ۔ آپ کی قربانی لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کا باعث ہوگئی ۔ ان کا ناز ونعمت میں پلنا ۔ اور پھر اسے لات مار کر اور عیش وعشرت کی زندگی چھوڑ کر فقیرانہ زندگی اختیار کرکے لوگوں کو پند ونصائح کرنا اپنے اندر خاص جذب اور کشش رکھتا تھا ۔ ان کے وعظ کا لوگوں کے دلوں پر خاص اثر ہوتا تھا ۔ ان کا مسکینوں بیکسوں ۔ مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت اور ان سے خاص ہمدردی اور ان کو دکھوں سے نجات دلاتا تھا ۔ اس لئے یہ چیز لوگوں کو ان کی طرف مائل کرنے میں جادو کا اثر رکھتی تھی ۔

دوم ۔ لوگ چونکہ برہمنوں کے ظلموں سے تنگ آئے ہوئے تھے ۔ وہ غلامی کی زندگی سے بیزار ہوچکے تھے وہ ان کی زیادتیوں اور ظلموں سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں تھے ۔ کہ ان کو حضرت بدھ جیسے ہمدرد کا پیغام ملا ۔ جسے انہوں نے نہایت شوق اور محبت کے جذبات سے قبول کیا ۔ اور اسے اپنی نجات کا ذریعہ سمجھا ۔ اس لئے وہ ان کے مذہب میں داخل ہوگئے ۔ وہ سمجھتے تھے ۔ کہ بدھ مذہب کے ساتھ وابستگی ان کی دینی ودنیوی ترقی کا موجب ہوگی ۔ غرضیکہ وہ لوگ جو مذہبی پیچیدگیوں اور اسکی پیچیدہ رسومات سے تنگ تھے ۔ اپنے لئے پیغام حیات سن کر فوراً اس کی طرف جھکے ۔ اور اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر ان کے مذہب کو قبول کرلینا اپنے لئے سعادت دارین خیال کیا ۔ پھر حضرت بدھ کی تعلیم کی سادگی اور اس کا عام فہم ہونا بھی ان کی کشش کا موجب ہوا ۔ زبان سادہ اور عام فہم استعمال کی جاتی ۔ اور تبلیغ کے لئے پبلک کی زبان کو ذریعہ بنایا جاتا ۔ جس سے ان کو اس تعلیم کا سمجھنا بہت زیادہ آسان ہوگیا ۔ اور وہ فوراً اس قابل ہوجاتے تھے کہ اسے قبول کریں اس طرح انہوں نے سنسکرت جیسی مشکل زبان سے بھی نجات حاصل کرلی ۔ جس سے ان کے دل بیزار ہوچکے تھے ۔ علاوہ ازیں بدھ کے مبلغوں اور بھکشوؤں کی زندگی کی سادگی نے انوکھے نمونے پر سہاگہ کا کام کیا ۔ ان کی حد سے بڑھی ہوئی سادگی نے بھی لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی اثر کیا ۔ بلکہ وہ دل وجان سے اس پر فدا ہونے لگے ۔ پھر حضرت بدھ نے مذہبی رسوم پر زیادہ اخراجات کو ممنوع قرار دیا تھا ۔ قربانیوں اور یگیوں میں ہزارہا روپیہ جانوروں پر اور دیگر اخراجات پر خرچ ہوتا تھا ۔ سب موقوف کردیا ۔ لوگ چونکہ ان اخراجات سے تنگ آچکے تھے ۔ اس لئے اس بارہ میں بدھ کا وعظ سن کر انہوں نے اس کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا ۔ اور انہوں نے سمجھ لیا ۔ کہ بدھ نے ان کو ان غیر ضروری بوجھوں اور لوازمات سے رہائی دلائی ہے ۔

بدھ مذہب کے جلد پھیلنے کا یہ بھی نتیجہ ہوگیا کہ کئی راجے مہاراجے اس میں شامل ہوگئے ۔ جنہوں نے اس مذہب کی اشاعت میں کافی حصہ لیا ۔ اور اسے پھیلانے میں بہت مدد دی ۔ چنانچہ مہاراجہ اشوک ۔ مہاراجہ کنشک اور ہرش جیسے راجاؤں نے پوری تندہی کے ساتھ اسکی تبلیغ اور تنظیم کا کام سرانجام دیا ۔ اور ہر ممکن ذریعہ سے اسے فروغ دیا ۔

بدھ کے بعد وقتاً فوقتاً مذہبی مجالس کا انعقاد بھی ہوتا رہا ۔ جن میں مذہبی اقوال واحکام وروایات پر غور وخوض ہوکر باہم مشورہ سے ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری جدوجہد کی جاتی تھی ۔ اور جو اختلافات پیدا ہوتے تھے ۔ ان کو مٹانے کے لئے پورا زور صرف کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ اس کے ماننے والوں اور اس کے مبلغوں میں بدھ کی سی سادگی کی روح دیر تک قائم رہا ۔ ان میں پاکیزگی اور اس کے ساتھ مذہبی جوش کام کرتا رہا ۔ اور جبتک مجلسوں کا انعقاد ہوتا رہا ۔ اور مذہبی تحقیقات جاری رہیں ۔ بدھ مذہب کا قدم ترقی کی طرف بڑھتا چلا گیا ۔ جب بعد نہ انہ کی وجہ سے ان میں یہ باتیں کم ہوگئیں ۔ اسکی ترقی رک کر روبہ زوال ہوگئی ۔ اور بدھ مذہب ہر کمالے را زوالے کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکا ۔ اس کے علاوہ خارجی مخالفتوں نے بھی اسے آہستہ آہستہ کمزور کردیا اور وہ انکی تاب نہ لا سکا ۔

بہر حال حضرت بدھ نے اپنی تعلیم کے ذریعہ سے دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کردیا ۔ اور بھٹکی اور دکھی دنیا کی نجات کا ذریعہ بنا ۔ وہ خدا کے ان برگزیدہ نبیوں میں سے تھا ۔ جن کو خود خدا اپنے ہاتھ سے دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کرتا ہے ۔ اور جن کے ذریعہ سے دنیا میں انقلاب پیدا کرکے نیا آسمان اور نئی زمین بنا دیتا ہے ۔

زندہ باد گوتم بدھ

حضرت بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم
ہندو بھائیوں کی نظر میں

حضرت سرورِ کائنات فخرِ موجودات محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہماری تعریف اور مدح سے بالا ہے اور آپ کے اخلاق فاضلہ اور صفات حسنہ اتنی روشن۔ پاکیزہ اور نمایاں ہیں کہ ان کی مثال دنیا کے کسی اور انسان میں ڈھونڈنی عبث ہے۔ لیکن یہ نہایت افسوسناک حالت ہے کہ دنیا کے اس محسن اعظم پر متعصب مخالفین نے شدت سے ناروا اور ناجائز حملے کئے ہیں اور اس نور اور روشنی کے خلاف گرد و غبار اُٹھانے کی کوشش کی ہے جو دنیا کی تاریکی کو دور کرنے اور اہل دنیا کو ایمان کی نعمت سے متمتع کرنے کے لئے خدا کی طرف سے بھیجی گیا تھا۔

بہرحال یہ امر باعث خوشی اور اطمینان ہے کہ نیک دل اور غیر متعصب محققین نے آپ کی قدر پہچاننے کی کوشش کی ہے اور تقریراً اور تحریراً آپ کے اخلاق حمیدہ اور احسانات بے پایاں کا ذکر کیا ہے۔ ان محققین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ دنیا کے تمام حصوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم ذیل میں چند اقتباسات صرف ہندو محققین کے قارئین کرام کے سامنے رکھتے ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا۔ (ایڈیٹر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انقلاب عظیم

سردار امر سنگھ صاحب ایڈیٹر اخبار شیر پنجاب لاہور اپنے اخبار جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۵ پر تحریر کرتے ہیں:۔

"کارلائل نے حضرت محمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ آپ نے ایک عرب کے ذرّے ذرّے کو ڈائنامیٹ بنا دیا۔ بلاشبہ حضرت محمد صاحب سے پہلے اہل عرب انواع و اقسام کے توہمات میں مبتلا تھے۔ اخلاق میں وہ گرے ہوئے تھے۔ تہذیب ان کی اعلیٰ نہیں تھی۔ مذہب ان کا بتوں کی پوجا تک محدود تھا۔ فلسفہ و سائنس وغیرہ علوم سے وہ ناآشنا تھے انہی لوگوں میں پیدا ہو کر حضرت محمد صاحب نے عرب کے ریت کے ذروں میں نہ صرف یہ کہ جان ہی ڈال دی بلکہ انہیں ڈائنامیٹ بنا دیا۔ جسے دنیا بھر کی سلطنتیں، بادشاہتوں اور حکومتوں کی بنیادیں ہل گئیں۔ اور تمدن۔ تہذیب و اخلاق کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ جن عربوں کو حضرت محمد صاحب سے پہلے عرب کی حدود سے باہر کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ ان کے پرچم دنیا کے ایک بڑے حصہ پر لہرا گئے اور ایشیا۔ یورپ و افریقہ کے کئی بڑے بڑے ممالک اُن کے زیر نگیں رہے۔ حضرت محمد صاحب نے تمام دنیا سے پس افتادہ عربوں میں کیا روح پھونکی جس سے وہ اس قدر طاقتور بن گئے؟ یہ روح واہگورو اکال پرکھ شرب شکتی مان کی ہستی و توحید میں ایمان و اعتقاد تھا۔"

(اخبار شیر پنجاب لاہور جلد ۶ نمبر ۲۳ مورخہ ۲۴ صفحہ ۵)

یقین محکم کا اثر

ایڈیٹر صاحب رسالہ دھرم ویر لاہور نومبر ۱۹۲۶ء زیر عنوان "وشواش ایک زبردست طاقت ہے" تحریر کرتے ہیں:۔

"عرب کا صحرا دھوپ سے تپ رہا تھا۔ اہل عرب گمنامی کی حالت میں تھے۔ ان کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ کہ یکایک ایک ستارہ آسمان سے اُترا جس نے عرب کے ریتیلے میدانوں میں روشنی پھیلا دی۔ اس نے اہل عرب کو ایک وشواس (یقین) دیا۔ ایک ایمان دیا۔ اہا لئے عرب اس طاقت کو پر کر اُٹھے صحرا کی ریت بارود میں تبدیل ہوگئی۔ جہاں ایک طرف غرناطہ میں اسلام کے جھنڈے گڑ گئے وہاں دوسری طرف دہلی کے تخت نے اس کے سامنے سر جھکا دیا۔ افریقہ کا دشوار گذار صحرا اسلامی وشواس سے پر بہت دستحرک اہل بدو کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اُٹھا۔ اسلام کی اس ساری کامیابی کی تہ میں کیا تھا۔ وشواس اور صرف وشواس ہی۔ وہ شخص جو ایک جیتی جاگتی ہستی پر یقین رکھتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو بھی اس کے سامنے آئے منہ کی کھاتا ہے۔ وشواس کی طاقت ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے سامنے لوہے کے طیار کردہ جملہ ہتھیار کُند ہیں۔ جہاں آدمی کیا ہیں آگ کی ایک چنگاری ہیں۔ جس کے آسمان سے اُترتے ہی ارد گرد کی جابسوکھی لکڑیاں آگ کی صورت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ان کے اندر وشواس کی زبردست طاقت ہوتی ہے جو دوسرے دلوں کو بھی اپنے جیسا بنا لیتی ہے۔ دنیا ان کے ساتھ سخت متنفر ہو

جاتی ہے۔ اور بعینہ وہ نظارہ پیش نظر ہوتا ہے سہ

لالی مرے لال کی جب دیکھوں تت لال
لال دیکھن میں گئی میں بھی ہو گئی لال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مقام

لالہ لاجپت رائے صاحب تحریر کرتے ہیں

"مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبر اسلام کے لئے نہایت عزت ہے۔ میری رائے میں ہادیان دین و رہبران بنی نوع انسان میں ان کا درجہ بہت اعلےٰ ہے"۔ (منقول از پیغام عالم صفحہ ۲۳)

موجودہ تہذیب کا منبع

ڈاکٹر کے۔ ایس سیتا رام صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی نے اپنی تحقیق کو مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

"دنیا کی موجودہ تہذیب صرف اسلام کی بدولت ہے اسلام نے ایشیائی تہذیب کی روشنی کو اونچا کر رکھا ہے یورپین زیادہ تر تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسلمان استادوں کے پاس گئے۔ سکھ مذہب جس کے بانی بابا نانک اور گورو گوبند سنگھ ہیں۔ بنگال کا فرقہ

یا جبر سے مذہب تبدیل کرانے کے اتنے خلاف تھے کہ جب ان لوگوں نے ہی ابتدائی زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اپنے بیٹیوں کو جو مشرک یا یہودی تھے۔ جبراً مسلمان کرنے کی کوشش کی۔ تو آنحضرت نے ان کو اس قرآنی حکم پر عمل کرنے کی تاکید کی۔ جب ایک باپ کے لئے ہی یہ مناسب نہیں۔ کہ وہ اپنے بیٹے کو جبر و تشدد سے مسلمان کرے۔ تو ظاہر ہے کہ اجنبیوں اور غیروں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کے لئے کبھی مجبور کیا ہی نہیں جا سکتا۔"

رحمۃ للعالمین

لالہ مہر چند لدھیانوی رقمطراز ہیں۔

"بانیٔ اسلام کی تعلیم میں الفت و محبت۔ رحم و شفقت۔ عفو و حلم کا اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بانیٔ اسلام نے دشمنوں کی زبان سے اور ان کے ہاتھوں سے وہ وہ ظلم برداشت کئے۔ جن پر کمزور سے کمزور آدمی بھی بگڑ کھڑا ہوتا ہے۔ مگر بانیٔ اسلام نے باوجود طاقت کے کبھی ایسے سلوک یا جواب میں زبان ہلانا یا ہاتھ اُٹھانا پسند نہیں کیا۔ مگر افسوس اب دشمنوں کی دشمنی حد سے گذرتی جا رہی تھی۔ اور سخت اندیشہ تھا کہ ظالم مشرک اور ان کے مددگار مسلمانوں کی کمزور جماعت کو پاؤں سے کچل ڈالیں۔ آخر رحم مجسم نبی جس کو خدا نے دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ اس امر پر مجبور ہوگیا۔ کہ تلوار کے ذریعہ سے اپنے لوگوں کی حفاظت کرے۔ اور یہ ایک ایسا آخری حیلہ تھا۔ کہ جس کے سوا اپنے اور اپنے گروہ کے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔ ہر چند کہ بانیٔ اسلام کی ذات والا صفات سراپا رحم و شفقت تھی۔ اور بانیٔ اسلام کے بس میں ہوتا۔ تو سرزمین عرب میں خون کا ایک قطرہ بھی گرنے نہ پاتا۔ مگر جو لڑائیاں ہوئیں۔ وہ نہایت مجبوری کی حالت میں ہوئیں"۔ (دنیا کا ہادیٔ اعظم صفحہ ۴۶)

آنحضرت صلعم کی رواداری

مہاتما گاندھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں نے قرآن شریف کئی بار پڑھا ہے۔ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ لیکن میں نے ان میں کہیں بھی یہ بات نہیں دیکھی کہ دوسرے کی مذہبی دل آزاری کی جائے یا مورتیوں وغیرہ کو توڑ دیا جائے"۔

(اخبار ملاپ لاہور)

ہر ملک اور قوم میں خدا کے نبی

لالہ بھگت رام صاحب جین دیا پرچارک فیروز پور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک بہت بڑا احسان آپ کا یہ ہے کہ تواریخی دنیا کے اندر سب سے پہلے آپ نے دیگر اقوام اور ممالک کے رہنماؤں اور رشی منیوں کی صداقت کو بھی تسلیم کیا۔ اور یہ فرمایا۔ کہ دنیا میں کوئی قوم یا ملک ایسا نہیں۔ کہ جس کی طرف پروردگار نے عوام الناس کی بہتری کے لئے کوئی بزرگ رہنما نہ بھیجا ہو۔ اس لئے دنیا کی تمام بزرگوار اور نیک روحیں ہم سب کے لئے یکساں اور قابل تعظیم ہیں۔ اس طرح آپ نے نہ صرف مذہبی

دُنیا کو تم نے آکر پُرنور کر دیا ہے

(از جناب پنڈت شیام سندر صاحب جموں)

دُنیا کو تم نے آکر پُر نور کر دیا ہے!
اور ظلمتوں کو یکسر کافور کر دیا ہے!

پیغام حق سنا کر مسرور کر دیا ہے!
وحدت کی مے پلا کر مخمور کر دیا ہے!

"فاراں" کی چوٹیوں پر وہ آفتاب چمکا
چشم فلک کو جس نے مسحور کر دیا ہے

"غارِ حرا" سے نکلیں یہ نور کی شعاعیں
تاریک وادیوں کو پُر نور کر دیا ہے

سارے جہاں میں تم نے پیغمبرِ معظمؐ
"پیغامِ آخری" کو مشہور کر دیا ہے

"یثرب" کی وادیوں کو باغِ ارم بنایا
"فاراں" کو جس نے رشک و صد طور کر دیا ہے

اک بار تو "دیارِ یثرب" کو دیکھ لینا!
پابندیٔ جہاں نے مجبور کر دیا ہے

سندر سے کیا رقم ہو وہ شان ہے تمہاری
جس نے گداگروں کو فغفور کر دیا ہے

اخبار منادی ۷ اگست ۱۹۲۷ء

سیتارام بانا اسلام ہی کی بدولت ظاہر ہوا۔ تمام دنیا کا مسئلہ اس صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ قومیں اس کو (اسلام کو) اچھی طرح سمجھ لیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کریں (منقول از جہاد پرکاش صفحہ ۱)

اسلام اور عدم تشدد

مسٹر وی۔ جی۔ ڈیسائی نے عرصہ ہوا "ینگ انڈیا" میں "اسلام اور عدم تشدد" کے موضوع پر لکھا:۔

"یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ ہندوستان میں بعض تاریخی وجوہ کی بنا پر اسلام اور تشدد کو مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ مسلمان فاتحوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر لوگوں کو نہ دبالا کر ڈالا حالانکہ ہم قرآن پاک میں مطالعہ کرتے ہیں لا اکراہ فی الدین مذہب میں تشدد سے کام مت لو۔ (سورۃ ۲۔ آیت ۲۵۷۔ سیل کا ترجمہ) یا مذہب میں جبر جائز نہیں (مرزا ابو الفضل الہ آبادی کا ترجمہ) فی الحقیقت پیغمبر اسلام صلعم تشدد

روا داری کی بلکہ عالمگیر صلح اور برادری کی بنیاد کو ایک ٹھوس چٹان پر قائم کیا۔" (ہادی اعظم صفحہ ۱۲)

امن و اتحاد کی تعلیم

بھگت سائیںداس نے بھی یہی لکھا:-

"حضرت محمد صاحب نے ایک بہت بڑا احسان جو تمام مذاہب کے پیروؤں پر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے آکر اپنے سے پہلے تمام آنے والے مہا پرشوں کی تصدیق کر کے امن کا دروازہ کھول دیا۔ آپ نے کروڑہا مسلمانوں کو یہ سکھشا (تعلیم) دی۔ کہ ہر ملک اور قوم میں ریفارمر ہوتے آئے ہیں۔ اگر یہی طریق سب لوگ اختیار کریں۔ تو آج دنیا کے جھگڑے اور فسادات مٹ سکتے ہیں۔"

آنحضرت کی تعلیم کا اثر

پروفیسر ٹی۔ ایل۔ وسوانی ایم۔ اے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"میں محمد صاحب کو دنیا کے بہت بڑے آدمیوں میں سے شمار کرتا ہوں۔ انہوں نے دنیا میں ایک انقلاب کی روح پھونک دی۔ اور ہزارہا اقوام کو قعرِ مذلت سے اُٹھا کر بلندی پر لا کھڑا کیا۔"

پھر آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ

"یہ کہنا ہرگز مبالغہ میں داخل نہیں کہ ہندوستان کے خیال و نیز طرزِ معاشرت میں اسلام نے نمایاں اضافہ کیا ہے۔ اسی مذہب نے ہندوستان میں قومیت کی بنا ڈالی۔ اور اس خطۂ زمین کے فلسفہ۔ شاعری۔ فن تعمیر و دیگر علوم کو اپنی غیر معمولی ذکاوت و ذہانت سے چار چاند لگا دیئے۔"

دنیا کا محسنِ اعظم

شریمتی راجکماری ماہری صاحبہ بی۔ اے نے اپنے ایک نہایت عمدہ مضمون میں لکھا ہے:-

"ہر پیغمبر لازمی طور پر ایک ریفارمر ہوتا ہے۔ ایک پیغمبر کی بعثت کی ضرورت ہی اس وقت ہوتی ہے۔ کہ جب دنیا سے حق و صداقت مفقود ہو کر ظلم و عدوان کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ اور جب لوگ اپنے خالق اور مالک کو بھول کر پیکر ہائے محسوس کی پرستش اور عبادت کرنے لگتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایک مصلح تھے۔ اور واقعات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ دنیا کے مصلح اعظم تھے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور مہاتما گوتم بدھ کے متعلق بھی اسی قسم کے دعوے کئے جاتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ ان دونوں بزرگوں کو دنیا کے سب سے بڑے مصلح قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کے مصلح ہونے سے بھی انکار نہیں ہے۔ اور دنیا پر انہوں نے اپنے وقت میں جو کچھ احسان کیا ہے۔ اس کا بھی دل سے اعتراف ہے۔ لیکن اگر ذرا دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ "مصلح اعظم" کا خطاب سب سے زیادہ جس ہستی پر پھبتا ہے۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو حقیقت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے مشن میں کامیاب ہی نہ ہوئے۔ اور مذہب عیسوی کو جو کچھ ترقی ہوئی۔ وہ آپ کے بعد آپ کے معتقدین کی کوششوں کی رہینِ منت ہے۔ اس لئے مصلح اعظم کا خطاب تو صرف اس بنا پر ان سے واپس لیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہی نہ ہو سکے۔ اور ان کی مدتِ حیات میں کوئی ان کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہی نہ ہوا۔ ان کے مصلح اعظم نہ ہونے کے اور وجوہ بھی ہیں۔ اور وہ یہ کہ ان کی تعلیمات میں جہاں بہتر سے بہتر اور پسندیدہ سے پسندیدہ اجزاء موجود ہیں وہاں بعض چیزیں ایسی بھی ملتی ہیں۔ جن کے متعلق یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ اس دنیا کے انسانوں کے لئے نہیں تھیں۔ ان کا یہ حکم کہ "اگر کوئی تمہارے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو تم بایاں گال بھی اس کے آگے کر دو۔" ایک ایسا حکم ہے کہ جس کی پابندی شاید خود ان کے لئے بھی دشوار ہی ہوتی۔ اور یہ تو یقینی ہے کہ ایک بھی عیسائی خواہ وہ مذہب کا کتنا ہی سچا عاشق کیوں نہ ہو۔ اس حکم کی تعمیل ہرگز نہیں کر سکتا۔

مہاتما بدھ کا مشن نسبتاً بہت زیادہ کامیاب رہا۔ اور انہوں نے اپنی کوششوں کا نتیجہ اپنی زندگی ہی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ لیکن جہاں تک تعلیمات کا تعلق ہے ہمیں ان کے ارشادات میں بھی بہت سی ایسی ہی باتیں ملتی ہیں۔ جو انسانوں کے لئے ناقابلِ عمل ہیں۔ یا کم سے کم ایسی ہیں۔ کہ اگر ان پر عملدرآمد کیا جائے تو دنیائے انسانی کو ترقی کے بجائے نیچے کی طرف اُترنے پڑیں گے۔

حضرت عیسیٰ اور مہاتما بدھ دونوں کی تعلیم کا اصل اصول "رہبانیت" یا دنیا سے ترکِ تعلق ہے۔ اور بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے انسان صرف اس لئے پیدا ہوا ہے۔ کہ اس دنیا میں رہے۔ اور اپنے گرد و پیش کی چیزوں سے تعلقات رکھے۔ دونوں کی تعلیم میں "رحم" کرنے کی تلقین بدرجہ اتم کی گئی ہے۔ لیکن "رحم" کی افراط فی الحقیقت ظلم کا دوسرا نام ہے۔ ایک ڈاکو پر رحم کرنے کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہم بہت سے نیک اور اچھے لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں جنہیں وہ لوٹے گا۔ رحم کے استعمال کو صحیح اور مناسب اسی وقت تک کہا جا سکتا ہے۔ کہ جب تک وہ انصاف پر غالب نہ آئے۔ اور اس معاملہ میں شاید کسی مذہب کی تعلیمات بھی اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو اپنے پیروؤں کو نہایت سختی کے ساتھ حکم تو دیتا ہے انصاف کرنے کا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتا دیتا ہے۔ کہ خدا معاف کر دینے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور اس کے معنی یہی نکلتے ہیں۔ کہ اگر کسی دوسرے پر ظلم نہیں ہوتا۔ تو ہمیں ضرور رحم ہی کرنا چاہیئے۔ لیکن ایک شخص پر رحم کر کے دوسروں پر ظلم کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے بھی سب سے زیادہ کامیاب مصلح تھے۔ کہ آپ کی تعلیمات کو آپ کی زندگی ہی میں عالمگیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہو گئی۔ اور اس لحاظ سے بھی کہ آپ کی تعلیمات کا مقصد انسان کو "فرشتہ" یا کوئی اور چیز بنانا نہ تھا۔ بلکہ "انسانِ کامل" بنانا تھا۔ آج مہذب اور متمدن دنیا اپنی ترقیوں اور کامیابیوں پر جس قدر چاہے ناز کرے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اگر دنیا میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا ظہور نہ ہوا ہوتا۔ تو علم و فن اور تمدن و تہذیب سب یورپ کے تنگ نظر اور نفس پرست عیسائی راہبوں اور پادریوں کے ہاتھوں کبھی کے فنا ہو چکے ہوتے۔ اور دنیائے انسانی ترقی کی اتنی اونچی منزل پر پہنچنے کی بجائے پستی اور ذلت کے غار میں پڑی ہوتی۔ دنیا نے غلامی اور شہنشاہی کو مٹا کر مساوات قائم کرنا اور دنیائے انسانی کی آدھی آبادی یعنی فرقۂ نسواں کو ذلت اور غلامی کے گڑھے سے نکال کر مردوں کے پہلو بہ پہلو لا بٹھانا اسلام کے ایسے کارہائے نمایاں ہیں کہ جن پر تمدن مدت العمر ناز کریگا اور حصولِ علم ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض کر دینا اور علم کی تلاش میں انہیں ساری دنیا میں مارے مارے پھرنے کا حکم دینا اسلام کے ایسے کارنامے ہیں کہ جن کے احسان سے تہذیب کبھی سر نہیں اٹھا سکتی۔

یونان کے علوم و فنون مردہ ہو چکے تھے اور عیسائی پادریوں کے فتوے کے مطابق ہر وہ شخص کافر تھا۔ جو دینیات کے محدود علم کے علاوہ کسی اور علم کی جانب توجہ کرے۔ اگر مسلمان اندلس کو فتح نہ کرتے۔ اور یونانی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی مبارک کوشش نہ کی جاتی۔ تو وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ انسان آج موٹروں اور ہوائی جہازوں میں اُڑتے پھرنے کی بجائے پھر اُسی "دورِ سنگین" میں پہنچ گیا ہوتا۔ کہ جب پتھروں سے بنی ہوئی گفا غیر اس کا مکان تھا۔ اور پتھروں کے نوکدار اور دھاردار ٹکڑے اس کے تیشے اور لبوے دنیا والے بھول جائیں۔ مگر دنیا اسلام کے اس احسان کو بھی نہیں بھول سکتی۔ کہ اس نے انسانی کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ اور تہذیب و تمدن کو پھر ترقی کے رستہ پر لگا دیا۔"

(رسالہ پیشوا، نمبر ۲، ۷، ۸، ۱۹۳۸ء)

جماعتہائے احمدیہ عراق و ایران سے تعلق رکھنے والے احمدیوں سے

ضروری گذارش

مجھے قیام جماعت احمدیہ عراق و ایران کے متعلق بعض ضروری یادداشتوں کی ضرورت ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ سلسلہ کی تائید میں جو نشانات ان علاقوں میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوتے ہیں ان کو یکجائی طور پر جمع کروں۔ اور ضروری حالات بھی لکھوں۔ لہذا دوست جن کا عراق و ایران کی جماعتوں سے کبھی تعلق رہا ہے یا اب تعلق ہو۔ وہ از راہِ مہربانی مندرجہ ذیل امور پر جواب مجھے بھیجکر ممنون فرمائیں۔

(۱) آپ کب سے کب تک ایران یا عراق میں مقیم رہے مع مختصر حالات زندگی۔

(۲) اس عرصہ میں آپ نے کس کس گاؤں یا شہر میں احمدیہ لٹریچر تقسیم کیا یا زبانی تبلیغ کی۔

(۳) سلسلہ کی تائید میں کوئی نشان آپ کے مشاہدہ یا سماعت میں آیا ہو تو وہ تحریر فرمائیں۔

(۴) جماعت کی مخالفت یا تائید میں ضرور واقعات تحریر فرمائیں۔

(۵) جماعت کے ساتھ آپ کا تعلق اور دیگر ضروری حالات۔

خاکسار مرزا برکت علی سابق امیر جماعتہائے احمدیہ ایران و عراق حال قادیان دارالامان

۲۹ر رمضان المبارک یاد رکھیں

اس مقدس مہینہ رمضان المبارک میں آپ روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کے انعامات اور فضلوں حاصل کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرمائے۔ آمین۔ آپ اس جسمانی جہاد کے ساتھ ساتھ مالی جہاد کی طرف بھی توجہ فرمائیں۔ یعنی اگر آپ تا حال کسی معذوری یا مجبوری کی وجہ سے اپنا وعدہ تحریک جدید ادا نہیں کر سکے۔ تو

۲۹ر رمضان المبارک تک

اپنا وعدہ سو فیصدی ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے مزید فضلوں اور انعامات کو حاصل فرماویں۔ اس تاریخ کو تیسری دعائیہ فہرست سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت بابرکت میں پیش ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ جملہ احباب جماعت کوشش کر کے اس میعاد کے اندر اندر اپنے وعدہ جات کی سو فیصدی ادائیگی کر کے عند اللہ ماجور ہوں گے۔

(وکیل المال تحریک جدید قادیان)

حضرت گورو نانک صاحب کے مختصر حالات زندگی

از مکرم مولوی عبدالحق صاحب متعلم جامعۃ المبشرین قادیان

دنیا میں سب قدرتی چیزیں ہمیں نظر آ رہی ہیں۔ ارضی ہوں یا سماوی وہ کسی نہ کسی رنگ میں بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات یا اجرام فلکی ان سب کی علت غائی اور مقصد بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا ہے۔ یہ سورج، یہ چاند اور یہ شجر و حجر غرضیکہ ہر چیز انسانی بقاء کے لئے اپنی قربانی پیش کر رہی ہے۔ اور انسان ان تمام چیزوں میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ المختصر یہ کہ جب ان تمام چیزوں کی انتہائی غرض اور مقصد بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا ہے۔ تو انسانی زندگی کی غرض اور مقصد اس سے بلند و بالا ہونا ایک طبعی امر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک خدا کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کرے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو کر اس کی خوشنودی حاصل کرے۔ پس اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر ضلالت و گمراہی اور کلجگ کے دور میں مختلف زمانوں، مختلف ممالک اور اقوام میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انسان مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت گورو نانک صاحب بھی تھے۔ آپ ۱۴۶۹ء میں ۔۔۔ تلونڈی (ننکانہ صاحب) میں مہتہ کالو جی کے ہاں پیدا ہوئے۔ بعد از ولادت جوتشی نے آپ کا نام نانک رکھا۔ جس پر مہتہ جی نے کہا کہ یہ نام چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہے اس لئے آپ کوئی ایسا نام تجویز کریں جو خالص ہندوانہ ہو لیکن جوتشی نے کسی مصلحت کے ماتحت نام تبدیل نہ کیا۔ ایک دوسری روایت میں آپ کے نانک نام رکھے جانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ ننھیال میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت باباصاحب کے والد محترم کھتری ہندو تھے اس لئے ہندو مذہب کی رُو سے رسم زنار کی ادائیگی جسے یگیوپویت سنسکار بھی کہتے ہیں ضروری تھی۔ چنانچہ جب باباصاحب کی عمر ۹ برس ہوئی تو مہتہ کالو جی نے اس رسم کی ادائیگی کے لئے سامگری منگائی۔ پنڈت جی نے ہون کیا اور خاتمہ پر آپ کے گلے میں زنار ڈالنے لگے۔ آپ نے اس کا ہاتھ تھام کر فرمایا ؎

"دیا کپاہ سنتو کھ سوت جت گنڈھی ست وٹ
ایہہ جنیؤ جیو کا ہے تاں پانڈے گھت"

یعنی محبت کی کپاس اور صبر کا سوت کات کر اس میں راستگوئی کا بل دو۔ یہ حقیقی زنار ہے۔ یعنی حقیقی زنار یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنے دل میں زندہ کرے اور صبر و استقلال سے اس کی راہ میں تکالیف برداشت کرے اور اس کی مخلوق کو بھی پاک باطنی کی شاہراہ پر گامزن کرے ورنہ دھاگہ تو محض دھاگہ ہی ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کو بغرض تعلیم ایک پنڈت اور ایک مولوی کے پاس یکے بعد دیگرے بھیجا گیا لیکن وہ آپ کو پڑھا نہ سکے اور بعض تاریخوں میں آتا ہے کہ ننکانہ صاحب کے علاقہ کے میر سید حسین ولی کرامتی صلح کل اور بے لاگ پیر مانے جاتے تھے۔ اور مہتہ جی کے گھر کے قریب ہی ان کی جائے رہائش تھی۔ انہوں نے باباجی کو دینی اور دنیوی علم تمام و کمال پڑھایا۔

باباجی کی عمر ابھی پندرہ سال کی تھی کہ آپ کے والد محترم نے تجارت میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے کچھ روپے دے کر کہا کہ بیٹا کوئی نفع مند تجارت کرکے لاؤ۔ چنانچہ آپ روپے لے کر رخصت ہوئے۔ جب چوہڑ کانہ کے جنگل میں پہنچے تو وہاں فقیروں کا ایک گروہ یاد الٰہی میں مصروف پایا۔ باباجی نے اس موقعہ کو غنیمت خیال کرکے تمام روپیہ ان کی ضروریات میں صرف کرکے خوشی خوشی گھر کو مراجعت فرمائی۔ آپ کے والد کو جن کی بصیرت صرف مادیات تک محدود تھی یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور آپ پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا اور پیٹا بھی لیکن اس علاقہ کے ایک نیک دل مسلمان حاکم تھے جن کا نام رائے بولار تھا۔ جب انہیں اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ آپ کے والد صاحب کے پاس آئے اور یوں گویا ہوئے "مہتہ جی میں نے پہلے بھی آپ کو یہ کہہ رکھا ہے کہ آپ اس بچے کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیا کریں بلکہ ان کے تمام اخراجات آپ ہمارے خزانہ سے حاصل کر لیا کریں"۔

اس قسم کے واقعات دیکھ کر لوگوں نے مہتہ جی کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے لڑکے کا کسی ماہر طبیب سے علاج کرائیں کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ طبیب بلایا گیا لیکن باباجی نے اسے مخاطب کرکے فرمایا ؎

"وئید بلایا وئیدگی پکڑ ڈھنڈولے بانہہ
بھولا وئید نہ جانئی کرک کلیجے مانہہ"

یعنی طبیب کو علاج کے لئے بلایا گیا ہے جو نبض ٹٹول کر میری مرض کو تلاش کرنا چاہتا ہے۔ مگر سادہ لوح طبیب کو کیا خبر ہے کہ کلیجہ میں عشق حقیقی کا درد ہے۔ جس سے یہ دنیوی طبیب ناآشنا ہے۔

مہتہ کالو جی نے یہ سوچ کر کہ میرا بیٹا جو کام بھی کرتا ہے وہ دنیوی نقطہ نگاہ سے نرالا ہوتا ہے۔ آپ کے بہنوئی جے رام کے پاس سلطان پور ریاست کپورتھلہ میں بھیج دیا۔ تاکہ وہ کسی کاروبار میں مصروف ہو جائیں۔ چنانچہ وہاں آپ نواب دولت خاں کے مودی خانہ میں دس سال تک انچارج رہے اور نہایت دیانتداری سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۱۸ سال کی عمر میں آپ کی شادی ماتا سلکھنی سے کر دی گئی۔ جو کہ بٹالہ کے رہنے والے ایک شخص مولچند کھتری کی بیٹی تھیں۔ آپ کے ہاں اس بیوی کے بطن سے دو فرزند تولد ہوئے۔ آپ کا بہترین طریق کار خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا تھا۔ اور بسا اوقات جنگلوں میں جا جا کر بھی عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ دس سالہ ملازمت کے بعد آپ نے سفر و سیاحت کی زندگی اختیار کی۔ اور مختلف بزرگان کے مقابر پر جاکر چلہ کشی بھی اختیار کی۔ بھائی مردانہ جو ایک مسلمان تھے اور بھائی بالا جو ایک ہندو تھے۔ ہمیشہ آپ کی صحبت میں رہے۔

ایک دفعہ آپ پھرتے پھراتے ایمن آباد پہنچے اور بھائی لالو ترکھان کے ہاں مہمان ہوئے اتفاقاً وہاں کے ایک رئیس ملک بھاگو نے برہم بھوج کیا اور بہت سے فقیر، برہمن اور سادھوؤں کو مدعو کیا باباصاحب کی تشریف آوری کی خبر سنکر آپ کو بھی دعوت دی۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ چونکہ تمہاری کمائی ظلم کی ہے اس لئے میں دعوت قبول نہیں کر سکتا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حق بات کہنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس قسم کا واقعہ آپ کو دوران ملازمت میں بھی پیش آیا۔ جبکہ نواب دولت خاں کے ساتھ آپ مسجد میں نماز باجماعت گذار رہے تھے۔ کہ اچانک آپ نماز کے دوران میں ہی نماز توڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ نماز کے اختتام پر جب نواب صاحب نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ قاضی صاحب تو کابل کے گھوڑوں کی فکر میں تھے۔ میں نماز کس کے پیچھے ادا کرتا۔ (آپ چونکہ خدا تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے تھے اس لئے بطور کشف آپ پر یہ راز کھل گیا ہوگا)

جس وقت شہنشاہ بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ایمن آباد کا علاقہ فتح کر لیا تو اسکی فوج نے بہت سے لوگ گرفتار کر لئے۔ چنانچہ باباصاحب اپنے پیارے مردانہ کے ساتھ پکڑے گئے۔ جب آپ کی بابر سے ملاقات ہوئی تو بابر آپ کی باتوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ باباصاحب کو قید سے رہا کرنے کے بعد کہا آپ کچھ ہم سے مانگیں جس کے جواب میں متوکل علی اللہ اور خدا کے پیارے نانک نے فرمایا ؎

"ایہاں دینا پاک خدائے۔ جس کا دیا ہر کوئی کھائے
بندے کی جو لیوے اوٹ۔ دین دنی میں تانکو توٹ
اک داتا سب منگت بھکھاری"

یعنی میری جاگیر وہ خدا ہے جس کا عطا کیا ہوا انعام دنیا کھا رہی ہے۔ جو اس کو چھوڑ کر کسی انسان کے بھروسے پر اپنی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے وہ دنیا اور آخرت میں خائب و خاسر اور ذلیل ہو کر رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی سب کا رازق ہے اور باقی تمام دنیا اسی ایک سے ہی بھیک مانگنے والی ہے۔ پھر فرمایا:-

"تس کو چھاڈ اور کو لاگے۔ تن سگلی پت پر ہاری
شاہ پاتشاہ سب تس کے کئے تس کے سنگ نے کوئی نہ دیئے
کہ نانک سن بابر میر تجھ سے مانگے سو احمق فقیر"

یعنی خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر جو کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اپنی تمام عزت و آبرو کو برباد کرتا ہے۔ تمام بادشاہ اور شہنشاہ اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اور وہ لیس کمثلہ شیء کا مصداق ہے یعنی اس کی مانند کوئی بھی چیز نہیں۔ اس لئے اے بابر میر! ان حالات میں تو خود سوچ لے کہ ایسے خدا کو چھوڑ کر جو تیرا دست نگر ہوگا وہ کوئی احمق فقیر ہی ہوگا۔ اس واقعہ سے آپ کا اعلیٰ پایہ کا توکل علی اللہ ثابت ہوتا ہے۔

حضرت باباصاحب توحید الٰہی کی تبلیغ نہایت حکمت اور دانائی سے کیا کرتے تھے۔ اور تبلیغ کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ہردوار تشریف لے گئے بعض ہندو پانڈوؤں کو دیکھا کہ وہ دریا کا پانی سورج کی طرف پھینک رہے ہیں۔ آپ نے دریا کی مخالف سمت کھڑے ہو کر دریا سے باہر پانی پھینکنا شروع کر دیا پانڈوؤں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ بڑی سنجیدگی سے فرمایا۔ کرتارپور میں میری کھیتی خشک ہو رہی ہے اُسے پانی دے رہا ہوں۔ پانڈے ہنس کر کہنے لگے یہ پانی کرتارپور کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ فرمایا اگر میرا پانی کرتارپور نہیں پہنچ سکتا تو تمہارا پانی سورج تک جو کروڑوں میل کے فاصلے پر ہے کیونکر پہنچ سکتا ہے۔ جس کا جواب بجز خاموشی اور مبہوت ہونے کے پانڈوؤں سے کچھ بن نہ پڑا۔

آپ ایک خدا کی پرستش کرنے کے معتقد تھے اور خدا تعالیٰ کی عشق و محبت کے مقابلہ میں آپ ہر چیز کو ایک مردود ڈھیلے سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ ایک مقام پر اپنا ایک رؤیا ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ؎

سپنے آیا بھی گیا میں جل بھریا روئے
آئے نہ سکاں تجھ کن پیارے بھیج نہ سکاں کوئے
آؤ سبھاگی نیندڑئیے جے شہو دیکھاں سوئے
تیں صاحب کی بات جے آکھے کہ نانک کیا دیجے
سیس وڈھے کے بیٹھن دیجے دن سر سیو کریجے"۔

یعنی میں نے بحالت خواب اپنے خدا کو دیکھا جب میں بیدار ہوا تو میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور میری زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ میرا خدا اس قدر بلند و بالا اور وراء الوریٰ ہے کہ نہ میں خود ہی وہاں پہنچ سکتا ہوں اور نہ میں کسی ایلچی کو ہی وہاں تک پہنچا سکتا ہوں۔ اس لئے نیند تو ہی پھر دوبارہ وارد ہو اور مجھے اپنی آغوش میں لے لے۔ ممکن ہے کہ پھر میں اس ذریعہ سے اپنے

خدا کو دیکھ سکوں ۔ اور اے میرے پیارے خدا اگر کوئی تیری طرف سے پیغام لے کر آئے تو میں اس کی خدمت اسی طرح ہی کر سکتا ہوں تاکہ اپنا سر کاٹ کر اس کے سپرد کر دوں اور باقی جسم کو اس کی خدمت میں لگا دوں ۔

آپ کے کلام کا اکثر حصہ سکھ صاحبان کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب میں محفوظ ہے آپ کی تعلیم کا خلاصہ توحید باری تعالیٰ ہے جس کے متعلق آپ ملیسا اوقات نہایت ٹھوس اور عقلی دلائل بھی دیا کرتے تھے ۔ ان میں سے بطور اختصار ایک دلیل نقل دیتا ہوں ۔ فرمایا سے

"دوجا کاہے سیئیے جو جمے تے مر جائے
ایکو سمرو نانکا جو جل تھل رہیا سمائے"

یعنی وہ چیزیں جو تغیر پذیر ہیں اور ایک حالت پر قائم نہیں رہتیں بلکہ ہر لمحہ مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں ۔ جن کی ابتدا بھی ہوتی اور انتہا بھی ہوتی ہے ۔ جو پیدا بھی ہوتی اور فنا بھی ہوتی ہیں ۔ وہ کس طرح انسان کی معبود اور قابل پرستش خدا ہو سکتی ہیں ۔ بلکہ تمام دنیا کا معبود وہ ایک خدا ہی ہے جو تمام چیزوں کی روح رواں اور غیر متبدل ہے ۔

چنانچہ اسی ضمن میں آپ اپنی ہندو قوم کو ان مروجہ مراسم کے متعلق زجر و توبیخ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو کسی رشی منی یا اوتار کے ذریعہ سے تو ہندو مذہب میں داخل نہ ہوئی تھیں ۔ بلکہ امتداد زمانہ کی وجہ سے ان کے مذہب کا جزو لاینفک بن گئی تھیں ۔ فرمایا سے

"ہندو مولے بھولے اکھوٹی جاہیں
نارد کہیا سے پوج کرائیں
اندھے گونگے اندھ اندھار
پاتھرے پوجیں مگدھ گنوار
او ہے جے آپ ڈوبے تم کہاں ترن ہار"

یعنی ہندو لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں ۔ روحانی اعتبار سے اندھے اور بہرے ہیں ۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جن پتھروں کی پوجا کی جا رہی ہے وہ خود ڈوب جاتے ہیں وہ دوسروں کو کیا پار لگائیں گے ۔

آپ نے جب اس قسم کے عقائد کا اظہار فرمایا تو آپ کی مخالفت ہونا ایک طبعی امر تھا ۔ کیونکہ کوئی بھی راستباز دنیا میں ایسا نہیں گذرا جس نے خدا کے نام کو بلند کرنے کا عزم کیا ہو اور دنیا کے فرزندوں نے اس کی مخالفت نہ کی ہو ۔ چنانچہ بابا صاحب اپنی مخالفت کا اظہار مندرجہ ذیل شبدوں میں فرماتے ہیں :-

"الیس کلیوں بیچ بھیتوں کیونکر رکھاں پت
جے بولاں تاں آکھیئے بڑ بڑ کرے بہت
چپ کراں تاں آکھیئے اس گھٹ ناہی مت
جے بہاں تاں آکھیئے بیٹھا سنتھر گھت
اٹھ جاں تاں آکھیئے چھار گیا سر گھت
جیکر نواں تاں آکھیئے ڈر دا کرے بھگت
کائی گل نہ ہونی جیتے کڈھاں وقت
ایتھے اوتھے نانکا کرتار رکھے پت"

(بھائی بنو کی بیڑ)

یعنی اس دنیا میں میں اپنی عزت کو کیونکر محفوظ کروں ۔ اگر میں کسی سے گفتگو کرتا ہوں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ بکواس شروع کر دیا ہے اور اگر میں خاموشی اختیار کروں تو کہتے ہیں اس کو بات کرنا نہیں آتی اگر میں بیٹھتا ہوں تو کہتے ہیں تسبعد جائے بیٹھا ہے اور اگر چلا جاتا ہوں تو کہتے ہیں بھاگ گیا بھاگ گیا ۔ اور اگر میں عبادت کرتا ہوں تو کہتے ہیں ڈر کر عبادت کرتا ہے یہ دنیا میرے کسی طریق کار پر بھی خوش نہیں ہوتی ۔ اب تو ہماری عزت اس دنیا اور آخرت میں ہی قائم رکھنے والا ہے ۔

بابا صاحب کے یہ شبد ظاہر کرتے ہیں کہ ہوا و ہوس کے بندوں نے آپ کی ہر حرکت و سکون کو اعتراض کا نشانہ بنایا لیکن آپ اپنا کام کرتے ہی چلے گئے اور آپ کی یہ اس وقت کی قربانیاں ہی تھیں جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی بہادر اور دلیر قوم آپ کو عطا فرمائی جو آپ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانا سعادت سمجھتی ہے اور موجودہ زمانہ میں آپ کی حقیقی عزت و عظمت کو از سر نو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کے لئے جماعت احمدیہ کو قائم کیا ۔ لیکن میرے یہ الفاظ کسی بلاسبنت پر مبنی نہیں ۔ اور نہ ہی مبالغہ آمیز ہیں ۔ اور نہ ہی انفرادی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ہمارے پیارے آقا اور موجودہ زمانہ کے مرسل و رہنما موعود اقوام عالم حضرت احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کی جماعت و تبلیغ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تمام دنیا کے اقطار و اکناف میں پھیل چکی ہے فرماتے ہیں :-

"ہمیں باباجی کی بزرگیوں اور عزتوں میں کچھ کلام نہیں ۔ اور ایسے آدمی کو ہم درحقیقت خبیث اور ناپاک طبع سمجھتے ہیں جو ان کی شان میں کوئی نالائق لفظ منہ پر لاوے یا توہین کا مرتکب ہو"

(ست بچن صفحہ ۱۱)

پھر ایک دوسرے مقام پر فرمایا

"بود نانک عارف مرد خدا
رازہائے معرفت را راہ کشا"

یعنی حضرت بابا نانک صاحب مرد خدا اور عارف باللہ تھے اور معرفت الٰہی کے راستہ کے بھید کو کھولنے والے تھے ۔

جیسا کہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے آپ دوران سفر میں ریاست جونا گڑھ کے نواب فیض بخش صاحب سے ملے ۔ اور پھر آپ کیرت پور تشریف لے گئے ۔ وہاں آپ پیر بڈھن شاہ سے ملاقی ہوئے جو ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے وہاں سے ملتان گئے پشاور پہنچے اور عبدالرحمٰن صاحب سوداگر چرم نے آپ کو جوتا پہنایا ۔ اور پرانا جوتا بطور تبرک اپنے پاس رکھ لیا جو آجکل پٹیالہ میں برمکان گوربخش سنگھ صاحب موجود ہے ۔ آپ بغداد سے ہوتے ہوئے قلات پہنچے اور خان قلات آپ پر بہت خوش ہوا اور ایک گوردوارے کے نام جاگیر بھی بخشی ۔ تاریخوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شیخ فرید صاحب کے ساتھ ایک لمبا سفر کیا اور سفر کے عدم ذرائع کے باوجود مکہ اور مدینہ کی زیارت بھی کی ۔ بالآخر آپ نے تبلیغی دورہ کو ختم کر کے ۶۹ سال کی عمر میں موضع کرتارپور انتقال فرمایا اور اپنے حقیقی مولا سے جا ملے ۔

آپ کے اخلاق حسنہ اور پُر امن تعلیم و عقائد کے بیشتر حصہ کو بخوف طوالت کسی دوسرے موقعہ پر ملتوی کرتا ہوا صرف آپ کا ایک سنہری عقیدہ اور اس کے فوائد بیان کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں ۔ چنانچہ ..... گرنتھ صاحب صفحہ ۱۸۵۱ پر لکھا ہے :-

"ٹھاکر ہمرا سدا بلنتا"

یعنی ہمارا خدا ہمیشہ ہی کلام کرتا ہے ۔ جب کبھی دنیا پر گمراہی کا دور دورہ ہوتا ہے اور انسان اپنے خالق و مالک خدا کی معرفت سے دور ہو جاتا ہے اور عدم عرفان کی وجہ سے دنیوی اور مادی چیزوں کو ہی اپنا مقصود و مدعا ٹھہرا لیتا ہے ۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی صفت تکلم بنی انسان اور خدا تعالیٰ کے مابین تعلق و ارتباط کا ذریعہ بنتی ہے اس شبد میں آپ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر کوئی انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے ایک آسان نہایت آسان راہ بتاتے ہیں کہ

"ٹھاکر ہمرا سدا بلنتا"

وہ بذات خود اس بات کی تحقیق کرے کہ زمانہ حال میں خدا تعالیٰ کس کے ساتھ کلام کر رہا ہے اور آج کس ملک، علاقہ یا قوم میں سے اسکے برگزیدہ انسان کا ظہور ہوا ہے کیونکہ تمام دنیا ایک خدا کی ہی مخلوق و ملک ہے ۔ وہ جب چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے انتخاب کر کے اپنی ہستی کے ثبوت کے لئے دنیا کے سامنے سینہ سپر کر دیتا ہے پس یہ ایک بہترین اصول ہے جو مشاہدہ کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے ۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ ہماری جسمانی پرورش کے لئے ہر روز تازہ بتازہ چیزیں عطا فرماتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ رحمٰن و رحیم خدا ہماری روحانی تربیت کو جو اصل مقصود ہے نظر انداز کر دے ۔ اور ایک وقت تک اس کی صفت تکلم بنی نوع انسان کو حق الیقین کے پانی سے سیراب کرتی رہے اور پھر ہمیشہ کے لئے ان کو مہجوروں کی طرح چھوڑ دے ۔ نہیں بلکہ ٹھاکر ہمرا سدا بلنتا ۔ اس کی صفت تکلم کبھی معطل نہیں ہوتی ۔

چنانچہ ایک دوسرے مقام پر آپ نے اس مسئلہ کی ایک پیشگوئی کے رنگ میں وضاحت فرمائی ہے ۔ جبکہ بھائی مردانہ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا :-

پرگنہ بٹالہ میں ایک شخص زمیندار قوم میں سے پیدا ہوگا ۔ جو خدا تعالیٰ کا پیارا ہوگا اور وہ جگت گیرت بھی بڑا ہوگا ۔ اور ہمارے سلسلہ کے ایک سو سال بعد اس کا ظہور ہوگا ۔ (ساکھی بھائی بالا وڈی ساکھی)

یہ پیشگوئی بہانگِ دہل بتا رہی ہے ۔ کہ حضرت باباجی اس بات کے قائل تھے ۔ کہ جب تک دنیا کا یہ نظم و نسق برقرار ہے ۔ خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اپنے مامورین اور الہام سے محروم نہیں کرے گا ۔ یہ پیشگوئی جہاں ہمارے پیارے آقا حضرت احمد قادیانی علیہ السلام کی صداقت پر دال ہے ۔ وہاں حضرت بابا نانک علیہ الرحمۃ کی علو مرتبت اور تعلق باللہ کی ایک زندہ مثال ہے ۔ اور آپ اس قول کی خوب وضاحت کر رہی ہے کہ ٹھاکر ہمرا سدا بلنتا ۔ کہاں ہیں وہ حضرات جو کہتے ہیں ۔ کہ مذاہب ہی درحقیقت فتنہ و فساد کے بانی مبانی ہیں ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے ۔ کہ مذاہب کی تعلیم سے عدم واقفیت ہی فتنہ و فساد کا موجب بن رہی ہے ۔ کیونکہ تمام مذاہب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں ۔ ان سب کی اصولی تعلیم ایک ہی محور کے گرد گھوم رہی ہے ۔ لیکن مرور زمانہ یا حوادث زمانہ کے باعث بعض تعلیمات تغیر و تبدل کا شکار ہو کر متدر ہو جاتی ہیں ۔ جس کی وجہ سے ہم کسی مذہب یا اس کے بانی کو ملزم نہیں ٹھہرا سکتے بلکہ اس کی تمام تر ذمہ داری عدم توجہ اور عدم واقفیت پر عائد ہوتی ہے ۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان امور پر نہایت سنجیدگی سے غور کریں اور آپس کی منافرت و شقاق کو دور کرنے کی کوشش کریں ۔

گرو نانک صاحب محبت و پیار کا پیغام لے کر دنیا میں آئے تھے ۔ آپ کے ذریعہ سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں ہندو اور مسلمان کا ملاپ اور اتحاد ہوا ۔ اور آپ نے پرگنہ بٹالہ کے جس گرو کی پیشگوئی کی ۔ اس نے بھی اسی اتحاد و اتفاق پر زور دیا اور اپنی آخری کتاب بھی پیغام صلح کے نام سے لکھی ۔ آؤ ہم ان بزرگوں کی یاد میں ہمیشہ صلح اتحاد اور امن کے قیام کے لئے جدوجہد کرتے رہیں ۔

(۷) تو چوری نہ کرنا (بقیہ صفحہ ۲۳)
(۸) تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا ۔
(۹) تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اس کے غلام اور لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا ۔

(خروج باب ۲۰)

خدا کے پاک نبی حضرت موسیٰ پر اس کی خاص رحمت اور سلام ہو ۔ آمین ۔

فقط

حضرت کنفیوشس علیہ السلام

عہدِ عتیق کے برگزیدہ انسانوں میں سے چینی مصلح حضرت کنفیوشس کو علمی طبقہ کے اکثر لوگ جانتے ہیں۔ مختلف مورخین کی تحقیق کے مطابق ان کی پیدائش کا زمانہ ۵۵۰ء سے ۵۵۲ء قبل مسیح متعین کیا جاتا ہے۔ البتہ زیادہ قوی قول یہی ہے کہ کنفیوشس کی پیدائش بدھ کی پیدائش سے سات سال قبل یعنی ۵۵۱ء قبل مسیح میں ہوئی۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس نے اس خیال کو ترجیح دی ہے۔ مملکت لُو کے چوپلی نام کے شہر میں آپ پیدا ہوئے۔ اگرچہ قدیم چوپلی شہر اب موجود نہیں لیکن اس کی جگہ شہر شُنگ آباد ہے۔

آپ کا خاندانی نام شُنگ تھا جس کے معنے فلاسفر کے ہیں۔ اور آپ فیوشے (FUTSU) اس لئے کہلائے کہ آپ کی پیدائش کوہ نی کی فیوشے نامی خانقاہ میں ہوئی تھی۔ اس طرح آپ کا پورا خاندان کُنگ فیوشے ہوگیا۔ اور کنفیوشس اس کی لاطینی شکل ہے۔

آپ کے والد بزرگوار "شونیانگ" چین کے ایک معزز خاندان میں سے تھے۔ اور وہاں کی ایک خود مختار ریاست شُنگ کے بڑے معزز فوجی عہدے دار تھے۔ بچپن میں حضرت کنفیوشس کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کوئی ایسی بات نہ ہونے دی جاتی جس سے ان کے دل پہ برے اثرات پڑیں۔ اور اس امر کی پوری کوشش کی جاتی کہ اُنہیں بہتر سے بہتر ماحول میں رکھا جائے۔ اس طرح آپ کی تربیت گویا اپنے ہمعصر مصلح مہاتما بدھ کی طرح ہوئی۔

ابھی آپ کی عمر صرف تین سال کی ہی تھی۔ کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ کی تربیت آپ کی والدہ شُنگ پٹ کرتی رہیں۔ اس طرح سات سال تک گھر ہی میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد دس سال تک سکول کی تعلیم کا زمانہ گذرا تعلیم سے فراغت پہ مالی حالت کمزور ہونے کے باعث آپ کو سرکاری ذخیرہ اناج کی منصرمی کا کام کرنا پڑا۔ چونکہ آپ محنت اور دیانتداری سے کام کرتے تھے اس لئے جب اس محکمہ کی طرف سے ایک زراعتی مدرسہ کا اجرا ہوا تو اس کا منتظم بھی آپ ہی کو بنا دیا گیا۔ اور اس میں ترقی کرتے کرتے انسپکٹر کے عہدہ تک پہنچ گئے۔ لیکن اُس وقت آپ کی والدہ کی وفات ہو جانے پر آپ کو یہ کام چھوڑ کر خانگی معاملات کی درستی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

اس عرصہ میں آپ اپنی عمر کے تیس سال پورے کر چکے تھے۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے آپ کی رفیقہ حیات آپ کے نیک ارادوں کی تکمیل میں ممد و معاون تھی۔

خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ خدا کے نیک اور برگزیدہ بندے ایسے ہی وقتوں میں آتے ہیں جب زمانہ کو ان کی تامہ ضرورت ہوتی ہے اور ان کے ہاتھوں ایک دنیا اصلاح پاتی ہوئی راہ راست پر آجاتی ہے۔ چنانچہ ملک چین کے لئے بھی وہ زمانہ سخت بدحالی و گمراہی کا زمانہ تھا۔ چاروں طرف بدامنی اور شرارت کے آثار نظر آتے تھے۔ لوگ دنیا کی حرص و آز میں منہمک اور ملک بادن مختلف ریاستوں میں بٹ چکا تھا بقول من سی اس مؤرخ :-

"کنفیوشس قومی تاریخ کے ایک نہایت نازک دور میں ظاہر ہوئے ملک روبہ انحطاط تھا اور درست نظریئے مفقود ہو چکے تھے"

کنفیوشس کی باریک بین نگاہوں نے ملک کا گہرا مطالعہ کیا۔ اور انہوں نے ذاتی تجربہ سے معلوم کیا کہ الناس علی دین ملوکھم اس لئے ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ جب تک حکومت کے کل پرزے درست نہ ہوں عام باشندگانِ ملک کی حالت سدھر نہیں سکتی جب بڑے لوگ ہی انصاف کا خون کر رہے ہوں تو ملک کے قانون شکنی لوگوں کا خاتمہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے آپ نے پہلے حکومت کے کاروبار میں گھس کر پہلے اس کی اصلاح کا ارادہ کیا اور اس طرح راعی کی درستی کے ساتھ رعایا کی اصلاح کا طریق چینی فطرت کے عین مطابق تھا۔ خود کنفیوشس کا قول ہے کہ:-

"بادشاہ کی مثال ہوا جیسی ہے اور رعایا گھاس کی مانند ہے۔ گھاس کی فطرت میں یہ بات ہے کہ ہوا کے رُخ کے مطابق جھک جائے اسلئے . . . . . اگر بادشاہ خود ہی اپنی ذات میں صحیح العمل ہو تو رعایا بغیر کہے اپنے فرض بجالائے گی"

اس زمانہ کی جد و جہد کا نقطہ نظر کہ ہی آپ ہی کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے:-

"دنیا سے کنارہ کشی اختیار [illegible] اور درندوں کی مصاحبت [illegible] نہیں بلکہ بات ہے [illegible] عیبت [illegible] لوگوں کیساتھ [illegible] ملک کی شدید ابتر حالت ہی تو مجھے بلاتی ہے اگر ملک میں درست قوانین جاری ہوتے تو میری بعثت کی کیا ضرورت تھی"

ملک کی حالت کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد آپ نے ایک زبردست عملی مہم جاری کی یعنی اپنے شہر سے تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا اور محلوں بازاروں اور چوراہوں میں کھڑے ہو کر برائیوں بدکرداریوں اور بے عملیوں کے خلاف وعظ کرنے اور لوگوں کو سمجھانے لگے۔ مگر بہت لوگوں نے آپ کی باتوں کو سنا لیکن اس امر نے آپ کو مایوس نہ کیا آپ نے اس پروگرام کو وسیع کیا اور اپنے شہر سے نکل کر اردگرد کے شہروں میں بھی لیکچر دینے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر کے لئے لوگ اکٹھے ہوتے مگر جلد ہی منتشر ہو جاتے ہیں اور بعض تو برملا کہہ دیتے

"چنگ نی! ہم تمہاری باتوں کو ایک پاگل کی بڑ سے زیادہ نہیں سمجھتے"

جب آپ پچاس سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کے حسن کارکردگی اور نیک نمونہ کے پیش نظر آپ کو ریاست لُو کے شہر چنگ تُو کا چیف مجسٹریٹ بنایا گیا اور چھ سال تک متواتر محنت اور دیانتداری سے کام کیا کہ شہر کی کایا پلٹ دی۔ عین اُس وقت حاسدوں کی نگاہیں بھی بلند ہوئیں اور ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ آپ کو اس عہدہ سے مستعفی ہونا پڑا۔

اب پھر انہوں نے جگہ جگہ پھر کر وعظ و تلقین کا پروگرام شروع کر دیا۔ اب سامعین کا طریق بدل چکا تھا۔ آپ جدھر جاتے تو شاگرداں آپ کے استقبال کے لئے موجود ہوتے اور ملک کے بڑے بڑے آدمی تقریر کے لئے خاموش ہوتے۔

آپ نے اپنی عمر کے آخری ایام زیادہ تر علمی کاموں میں صرف کئے اور بعض کی تصنیف کی۔ جو آپ کی تعلیمات کی حامل ہیں۔ جن میں سے مشہور کتب کے نام حسب ذیل ہیں۔

شوکنگ۔ ریشی کنگ۔ یی کنگ۔ لی کنگ چُن سی۔ اسی طرح مندرجہ ذیل کتب میں بھی کنفیوشس کے ملفوظات۔ آپ کی اخلاقی تعلیمات و دیگر اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ یعنی لُن یُو۔ طائی ہیاں۔ چُنگ یُنگ۔ من سی اس۔

چین میں سرکاری ملازمت کی ایک شرط یہ تھی۔ کہ ان نو کتابوں کے امتحان میں کامیابی حاصل کی جائے اور داخلہ کا یہ طریق بیسویں صدی تک قائم رہا۔ اور آخر ۱۹۰۵ء میں موقوف کر دیا گیا۔

آپکی وفات کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک صبح آپ اُٹھے اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:-

"یقیناً ایک عظیم الشان پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیگا ایک مضبوط شہتیر ضرور ٹوٹ جائے گا اور ایک عقلمند انسان ایک پودے کی طرح مرجھا جائیگا"

چنانچہ بیمار رہے جس میں آپکے شاگردوں بڑی [illegible] جیسے خدمت و علاج [illegible] مگر موت کا علاج [illegible] اور آخر کار یہ [illegible] عظیم فلاسفر سیاستدان [illegible] بہتر سال کی عمر میں اس دنیا سے چل بسے [illegible] ایسی حالت میں جبکہ ملک کی حالت سدھر چکی تھی ظلم و تعدی کے بجائے رحم و کرم کا دور دورہ تھا۔ (محمد حفیظ بقاپوری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بقیہ صفحہ ۲۳

مقدس دی گئی تھی۔ جب آپ کوہ طور سے واپس آئے تو آپ نے دیکھا کہ آپ کی غیر حاضری میں آپ کی قوم نے ایک بچھڑے کا بت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی ہے۔ یہ بُرا فعل اس قوم نے سامری کی انگیخت پر کیا (سورہ طٰہٰ رکوع ۴)

حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں قوم کے سردار تھے انہوں نے بچھڑے کی پرستش کرنے سے روکا لیکن وہ باز نہ آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آ کر سخت ناراض ہوئے آپ نے بچھڑا جلا دیا اور سامری کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا (سورۃ طٰہٰ رکوع ۵)

پھر آپ نے اپنی قوم کو وادی مقدس کی طرف جانے کو کہا لیکن آپ کی قوم مزید قربانیوں کو برداشت نہ کر سکی عین اس وقت جب کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونے والا تھا آگے چلنے سے انکار کر دیا۔ اس پر خدا کی طرف سے سزا ملی اور چالیس سال تک آپ کی قوم سرگرداں پھرتی رہی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ بنی اسرائیل کی نالائقیوں نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے آئندہ وحی شریعت بنی اسرائیل سے چھین کر بنی اسماعیل یعنی ان کے بھائیوں کو دے دی جائے گی۔ بائیبل میں لکھا ہے :-

"میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہے گا" (استثنا باب ۱۸)

آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے چند احکام درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

(۱) میرے حضور تو غیروں کو معبود نہ ماننا۔

(۲) تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔

(۳) یاد کر کے تو سبت کے دن کو پاک ماننا۔

(۴) تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔

(۵) تو خون نہ کرنا۔

(۶) تو زنا نہ کرنا۔ (بقیہ صفحہ ۲۳ کالم ۲ کے نیچے)